اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا سفرِ مدینہ

مُصنِّف

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت الشاہ
احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ

کا سفرِ مدینہ

﴿مبین﴾

امام اہل سنت الشاہ

احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن

ناشر:

مکتبہ اعلیٰ حضرت مزنگ لاہور

«حاضری درگاہِ ابدی پناہ وصلِ دوم رنگِ عشقی (۱۳۲۳ھ)»

شکرِ خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے
جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیے
اصلِ مراد، حاضری اس پاک در کی ہے

کعبہ کا نام تک نہ لیا طیبہ ہی کہا
پوچھا تھا ہم سے جس نے کہ نہضت کدھر کی ہے

مجرم بلائے آئے ہیں، جاءُوکَ ہے گواہ
پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

یہ پیاری کیاری تیری خانہ باغ کی
سرد اس کی آب و تاب سے آتش سقر کی ہے

جنت میں آ کے نار میں جاتا نہیں کوئی
شکرِ خدا نوید نجات و ظفر کی ہے

ماں، دونوں بھائی، بیٹے بھتیجے عزیز دوست
سب تجھ کو سونپے ملک ہی سب تیرے گھر کی ہے

ہاں ہاں رہ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

اللہ اکبر! اپنے قدم اور یہ خاکِ پاک
حسرت ملائکہ کو جہاں وضعِ سر کی ہے

معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو
کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک گھر کی ہے

زندہ رہیں تو حاضری بارگاہ نصیب
مر جائیں تو حیاتِ ابد عیش گھر کی ہے

جاروکشوں میں چہرے لکھے ہیں ملوک کے
وہ بھی کہاں نصیب فقط نام بھر کی ہے

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

عاصی بھی ہیں چہیتے یہ طیبہ ہے زاہدو
مکہ نہیں کہ جانچ جہاں خیر و شر کی ہے

سرکار ہم گنواروں میں طرزِ ادب کہاں
ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے

مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

گرمی ہے تپ ہے درد ہے کلفت سفر کی ہے
ناشکر یہ تو دیکھ عزیمت کدھر کی ہے

مومن ہوں مومنوں پہ رؤف رّحیم ہو
سائل ہوں سائلوں کو خوشی لا نہر کی ہے

آگے رہی عطا وہ بقدرِ طلب تو کیا
عادت یہاں امید سے بھی بیش تر کی ہے

احباب اس سے بڑھ کے تو شائد نہ پائیں عرض
ناکردہ عرض، عرض یہ طرزِ دگر کی ہے

کعبہ ہے بیشک انجمن آرا دلہن مگر
ساری بہار دلہنوں میں دلہا کے گھر کی ہے

آکچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضا
مشتاق طبع لذتِ سوزِ جگر کی ہے

پہلے اسے پڑھئے

آپ کے ہاتھوں میں موجود "احوالِ سفر مدینہ" اس عظیم و فہیم شخصیت کی زبانِ حق ترجمان سے "بطورِ تحدیثِ نعمت بیان ہونے والے واقعات" اور "بے شمار ہدایت و عبرت و نصیحت کے مدنی پھول بکھیر نے والے پرکیف و پر اثر کلمات" پر مشتمل ہے کہ جسے "فراخدلی" کے ساتھ "گزشتہ صدی ہجری" کا "مجدد بے نظیر" تسلیم کیا گیا ہے اور جس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کرنے والے علماءِ کرام اس کی "معرفتِ حقیقت" کے بارے میں اپنی عاجزی و ناکامی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے، وہ عظیم عالم و فقیہ کہ جس کے فضائل و کمالات میں سے بعض کی جھلک موجودہ دور کے علماءِ کرام میں تو در کنار، علماءِ متقدمین میں بھی نظر نہیں آتی ہے۔

یہ واقعات "ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ" سے اخذ کر کے رسالے کی شکل میں پیش کرنے سے مقصود "امام اہلسنت رضی اللہ عنہ" کے فیضِ بے بہا سے برکات کا حصول ہے۔ ان شاء اللہ عزوجل، آپ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے دورانِ مطالعہ بے شمار مدنی نکات اخذ کرنے کی سعادت حاصل کریں گے، کبھی احترامِ والدین کا درس حاصل ہوگا، تو کہیں حرمینِ شریفین کی حاضری کے لئے تڑپ کا انداز سیکھنے کو ملے گا، کسی مقام پر علماءِ کرام کی تعظیم کا طریقہ معلوم ہو گا، تو کسی جگہ پر اللہ و رسول (عزوجل و ﷺ) کی بارگاہ سے یقینِ کامل کے نتیجے میں عنایات کی بارشیں برستی نظر آئیں گی، کبھی بد مذہبوں کی ذلت و خواری کے واقعات پڑھ کر ان سے "نفرت و کراہیت میں اضافے کی دولت" حاصل ہو گی، تو کہیں عقائدِ اہلسنت کی حقانیت کی وضاحت ہوتی نظر آئے گی، کسی مقام پر علم و علماء کی اہمیت کا اندازہ ہوگا، تو کسی جگہ پر دینِ متین کی خدمت کے لئے سخت قربانی دینے کا شعور و جذبہ ملے گا۔

نیز "اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ" کی شخصیت و سیرت و عاداتِ مبارکہ کے

بارے میں مزید معرفت حاصل ہو گی، جس کی برکت سے خوش قسمت حضرات اپنی عملی زندگی کو مزید بہتر بنانے میں بے حد مدد حاصل کر سکتے ہیں۔

غرضیکہ، یہ مختصر رسالہ "نسبتِ افقہ الفقہاء و عاشقِ سید الانبیاء (ﷺ)" کی بناء پر، اپنے اندر بے شمار قیمتی جواہر سمیٹے ہوئے ہے، اب یہ ہر قاری پر منحصر ہے کہ وہ اپنی صلاحیت و ذہانت کو استعمال کر کے کس قدر زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کر سکتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا وہی "سفرِ مدینہ" ہے کہ جس میں آپ نے اپنی ظاہری چشمانِ مبارکہ سے "سرکارِ ابد قرار ﷺ" کا دیدارِ پر انوار کرنے کی سعادتِ عظمیٰ حاصل کی تھی۔ (اس کے بارے میں تفصیلاً جاننے کے لئے مکتبہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی شائع کردہ "حیاتِ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ (نئی ترتیب کے ساتھ) کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔) ادارے کی درخواست پر علامہ محمد اکمل عطا قادری عطاری مدظلہ العالی نے درجِ ذیل امور پر توجہ فرمائی۔

(۱) جہاں مشکل الفاظ محسوس ہوئے، ان کے آسان معانی آگے قوسین ( ) میں تحریر فرما دیئے۔

(۲) ابتداء میں مناسبت کا لحاظ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے ان اشعار میں سے بعض درج فرما دیئے کہ جو آپ نے دوسری مرتبہ حاضریٔ حرمین شریفین کے موقع پر ارشاد فرمائے تھے۔

(۳) جہاں عربی عبارات کا ترجمہ موجود نہ تھا، وہاں ترجمہ اور جہاں کسی آیت یا حدیث کا حوالہ نہ تھا، حوالہ بھی درج فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ "ہمیں اس تحریرِ پر اثر کی برکات سے مالا مال فرمائے اور بعدِ مطالعہ اپنی عملی زندگی میں نمایاں تبدیلی کی توفیق عطا فرمائے اور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے فیوض و برکات کو عام کرنے کی اس مخلصانہ کوشش

مؤلف

حضور بعدِ نمازِ عصر صحن میں تشریف فرما ہیں، مریدین و معتقدین حاضرِ خدمت ہیں ، مولوی رحم الٰہی صاحب ، مدرس دوم ، مدرسہ منظر الاسلام اور طالبِ علم مولوی نجیب الرحمن ایک کتاب ہمراہ لائے۔ حضور نے دریافت فرمایا "کیا کتاب ہے ؟۔" عرض کیا، "حضور! اعمالِ تسخیر (یعنی فرماں بردار و تابع کرنے کے اعمال) میں ہے، ایک عبارت کا مطلب دریافت کرنا تھا۔"

ارشاد

میرے پاس ان عملیات کے ذخائر بھرے پڑے ہیں لیکن بحمد اللہ تعالیٰ! آج تک کبھی اس طرف خیال بھی نہیں کیا، ہمیشہ ان دعاؤں پر، جو احادیث میں ارشاد ہوئیں، عمل کیا۔ میری تو تمام مشکلات انہیں سے حل ہوتی رہی ہیں۔ دوسری بار جب کعبہ معظمہ حاضر ہوا، یکایک جانا ہو گیا' اپنا پہلے سے کوئی ارادہ نہ تھا۔ پہلی بار کی حاضری حضراتِ والدین ماجدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما ہمراہِ رکاب تھی، اس وقت مجھے تیئسواں سال تھا (یعنی میری عمر ۲۳ سال کی تھی)، واپسی میں تین دن طوفانِ شدید رہا تھا ، اس کی تفصیل میں بہت طول (یعنی لمبائی) ہے۔ لوگوں نے کفن پہن لئے تھے۔ حضرتِ والدہ ماجدہ کا اضطراب دیکھ کر ان کی تسکین کے لئے بے ساختہ (یعنی غور و فکر کئے بغیر) میری زبان سے نکلا کہ "آپ اطمینان رکھیں خدا کی قسم یہ! جہاز نہ ڈوبے گا "۔ یہ قسم میں نے حدیث کے اطمینان پر ہی کھائی تھی، جس میں کشتی پر سوار ہوتے وقت غرق سے حفاظت کی دعا ارشاد ہوئی ہے' میں نے وہ دعا پڑھ لی تھی۔ لہٰذا حدیث کے وعدۂ صادقہ (یعنی سچے وعدے) پر مطمئن تھا۔ پھر بھی قسم کے نکل جانے سے خود مجھے اندیشہ ہوا، اور معاً (فوراً) وہ حدیث یاد آئی۔ " مَنْ یَّتَأَلَّ عَلَی اللہِ یُکَذِّبْہ "

حضرتِ عزت (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف رجوع کی اور سرکارِ رسالت ﷺ سے مدد مانگی، الحمد للہ! کہ وہ مخالف ہوا کہ تین دن سے بشدت چل رہی تھی، دو گھڑی میں موقوف ہو گئی اور جہاز نے نجات پائی۔ ماں کی محبت، وہ تین شبانہ روز کی سخت تکلیف یاد تھی، مکان میں قدم رکھتے ہی پہلا لفظ مجھ سے یہ فرمایا کہ "حجِ فرض اللہ تعالیٰ نے فرمادیا، اب میری زندگی بھر دوبارہ ارادہ نہ کرنا۔" ان کا یہ فرمان مجھے یاد تھا اور ماں باپ کی ممانعت کے ساتھ حجِ نفل جائز نہیں، یوں خود ادا کرنے سے مجبور تھا۔ یہاں (بریلی شریف) سے ننھے میاں (چھوٹے بھائی) اور حامد رضا خان (بڑے بیٹے) مع متعلقین بارادۂ حج روانہ ہوئے، لکھنؤ تک ان لوگوں کو پہنچا کر میں واپس آگیا لیکن طبیعت میں ایک قسم کا انتشار رہا۔ ایک ہفتہ یہاں رہا طبیعت سخت پریشان رہی، ایک روز عصر کے وقت زیادہ اضطراب ہوا اور دل وہاں (حرمینِ شریفین) کی حاضری کیلئے زیادہ بے چین ہوا۔ بعدِ مغرب مولوی نذیر احمد صاحب کو اسٹیشن بھیجا کہ جا کر بمبئی تک سیکنڈ کلاس ریزرو کرا لیں۔ انھوں نے اسٹیشن ماسٹر سے گاڑی مانگی (یعنی سیٹ بک کرنے کے لئے کہا) اس نے پوچھا "کس ٹرین سے ارادہ ہے"۔ انھوں نے کہا "اسی شب کے دس بجے والی سے"۔ وہ بولا "یہ نہیں مل سکتی اگر آپ کو اسی سے جانا تھا تو چوبیس گھنٹے پیشتر اطلاع دیتے"۔ بے چارے مایوس ہو کر لوٹنا چاہتے تھے کہ ایک (ٹکٹ کلکٹر) جو قریب رہتا تھا، مل گیا۔ اس نے کہا "گھبراؤ مت"، میں چلتا ہوں اور اسٹیشن ماسٹر سے جا کر کہا کہ "یہ تو مجھ سے کل کہہ گئے تھے، میں آپ سے کہنا بھول گیا"۔ اس نے ایک سو تریسٹھ روپے پانچ آنے لیکر سیکنڈ کلاس کا کمرہ ریزرو کر دیا۔ عشاء کی نماز سے اول وقت فارغ ہو گیا، شکرم (یعنی ایک قسم کی چار پہیوں والی گاڑی) بھی آگئی۔ صرف والدہ ماجدہ سے اجازت لینا باقی رہ گئی تھی، جو

نہایت اہم مسئلہ تھا اور گویا اس کا یقین تھا کہ وہ اجازت نہ دیں گی، کس طرح عرض کروں اور بغیر اجازتِ والدہ حجِ نفل کو جانا حرام۔ آخر اندر مکان میں گیا، دیکھا کہ حضرتِ والدہ ماجدہ چادر اوڑھے آرام فرماتی ہیں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے قدموں پر سر رکھ دیا، وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھیں اور فرمایا "کیا ہے؟"۔ میں نے عرض کیا "حضور! مجھے حج کی اجازت دیجئے۔" پہلا لفظ جو فرمایا، یہ تھا، "خدا حافظ۔"

یہ انھی دعاؤں کا اثر تھا، میں الٹے پاؤں باہر آیا اور فوراً سوار ہو کر اسٹیشن تک بھی نہ پہنچا ہوں گا، انھوں نے فرمایا "میں اجازت نہیں دیتی، اسے بلالو"۔ مگر میں جا چکا تھا، کون بلاتا، چلتے وقت جس لگن (یعنی طشت) میں، میں نے وضو کیا اس کا پانی واپسی تک نہ پھینکنے دیا کہ "اسکے وضو کا پانی ہے۔"

بریلی کے اسٹیشن سے میں نے ایک تار اپنی روانگی کا بمبئی روانہ کیا۔ وہاں سب نے یہ خیال کیا کہ شاید حسن میاں (اعلحضرت رضی اللہ عنہ کے منجھلے یعنی درمیانے بھائی) تشریف لارہے ہیں، اس واسطے کہ ان کا سال آئندہ میں ارادہ تھا، میرا کسی کو گمان بھی نہ تھا۔ غرض دن کے دن (اس دن) تک سب کو تذبذب رہا۔ ادھر راستہ میں مجھے ایک دن کی دیر ہو گئی (اس لئے) کہ آگرہ پر میل (یعنی ڈاک گاڑی) نکل گیا اور ہماری گاڑی نے پسنجر کا اعتبار کیا مولوی نذیر احمد نے اسٹیشن ماسٹر سے پوچھا "ہماری گاڑی کٹ کر کیوں جدا کرلی؟" کہا "میل ریزرو نہ تھا آپ کو پسنجر میں جانا ہوگا۔" یہاں تک کہ وہ دن آگیا جس روز حجاج بمبئی کے قرنطینہ (وہ میعاد جس میں "مسافروں" یا "وبا زدہ علاقہ کے بیماروں" کو جبراً سب سے علیحدہ رکھا جاتا ہے تاکہ مرض پھیلنے نہ پائے۔) میں داخل ہونے والے تھے۔ اور میں اسوقت تک نہ پہنچ سکا۔

اب سخت مشکلات کا سامنا تھا کہ ہمارے لوگ قرنطینہ میں داخل ہو جائیں گے اور میں رہ گیا اب جانا کیونکر ہوگا۔ یہ دن پنج شنبہ کا ہے، تار آچکا تھا کہ پنجشنبہ کو بھپارا ہو کر لوگ قرنطینہ میں داخل ہو جائیں۔ گاڑی کٹ جانے یہ تا خیر کی کہ میں جمعہ کے دن صبح آٹھ بجے پہنچا۔ اسٹیشن پر دیکھا، بمبئی کے احباب کا ہجوم ہے حاجی قاسم وغیرہ گاڑیاں لئے موجود ہیں۔

سلام و مصافحہ کے بعد پہلا لفظ جو انھوں نے کہا وہ یہ تھا "شہر کو نہ چلئے بلکہ سیدھے قرنطینہ چلئے، ابھی آپ کے لوگ داخل نہیں ہوئے ہیں۔" میں شکرِ الٰہی عزوجل بجا لایا اور اپنے لوگوں کے ساتھ قرنطینہ داخل ہوا۔ یہ حدیث کی انھی دعاؤں کا اثر تھا کہ گئی ہوئی مراد عطا فرمائی۔ میں نے واقعہ پوچھا، وہاں کے لوگوں نے کہا "عجب ہے اور سخت عجب، ایسا کبھی نہ ہوا تھا پنجشنبہ (جمعرات) کو روزِ موعود (یعنی وعدہ شدہ دن) پر ڈاکٹر آیا اور آدھے لوگوں کو بھپارا (پسینہ لانے والی دوا) دیا کہ دفعتاً اسے سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی اور کہا کہ "باقی کا بھپارا کل ہوگا' یوں تمھارے لوگ باقی رہ گئے۔" اب ایک اور دقت پیدا ہوئی کہ اس جہاز کا ٹکٹ بالکل تقسیم ہو چکا تھا' جس میں ہمارے لوگ جانے والے تھے بمجبوری دوسرے جہاز کا ٹکٹ خریدا، اور وہ بھی تیسرے درجے کا ملا جس کی حکمت آگے ظاہر ہو گی اور حدیث کی دعائیں پڑھیں کہ "سرکار ﷺ مجھے اپنوں کا ساتھ عطا فرمائیں ان سے چھوٹ کر تنہا میں کیونکر حاضر ہونگا۔" تلاش کی گئی کہ اس جہاز میں کوئی صاحب ایسے ہیں جو اکیلے جانے والے ہوں، جنہیں یہ اور وہ دونوں جہاز برابر ہوں، مولیٰ تعالیٰ کی رحمت کہ ایک بڑے میاں ہمارے ضلع بریلی مقام بھیڑی کے ساکن (رہنے والے) مل گئے جنھوں نے بخوشی ٹکٹ بدل لیا، وہ جہاز میں گئے اور میں **بفضلہ**

تعالیٰ (یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل سے) اپنے ساتھیوں میں رہا۔
سرکار نے پہلا ٹکٹ تیسرے درجے کا اسی لئے دلوایا تھا کہ وہ بڑے میاں ملنے والے تھے' جن کا ٹکٹ تیسرے ہی درجے کا تھا۔ ان سے تبدیلی میں مالی نقصان نہ ہوا، بعدِ قرنطینہ اس جہاز پر سوار ہو کر سوا سو روپے داخل کر کے اول درجے کا ٹکٹ تبدیل کرالیا۔ جب عدن کے قریب جہاز پہنچا میں نمازِ عصر پڑھا رہا تھا نماز میں ایک عربی صاحب کی آواز میرے تک پہنچی کہ "سمتِ قبلہ یہ نہیں ہے۔" میں نے کچھ خیال نہ کیا اس لئے کہ میں مؤامرہ ہندسیہ سے عدن وکامران کی سمت قبلہ نکال چکا تھا۔ وہ اتنی دیر کہ میں نے نماز پڑھی، بیٹھے رہے، جب میں فارغ ہوا تو ان سے پوچھا "اس وقت بتایئے سمتِ قبلہ کس طرف ہے اور پانچ منٹ پہلے کس طرف تھی"، اور حساب لگا کر سمجھایا کہ اس وقت سمت قبلہ ہی پر نماز ہوئی، جس کو انھوں نے بھی تسلیم کرلیا۔ جب کامران آیا تو قرنطینے میں داخل ہوئے، وہاں دس روز ٹھہرنا ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان ترکی کارکنوں کو جزائے خیر دے، حجاج کو ایسا آرام دیا کہ لوگوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ "حج کا وقت قریب ہے ورنہ کچھ دن ہمارا رہتے اور یہاں کے آرام کا لطف اٹھاتے"، بمبئی میں کیا مجال تھی کہ کوئی اس احاطہ سے باہر قدم رکھتا۔ احاطہ کے اندر ہر بات کی روک ٹوک تھی۔ ہندوسپاہی قصداً حجاج کو تنگ کرتے تھے۔ یہاں میں سنا کہ "کامران سے کوئی ایک میل کے فاصلہ پر کسی بزرگ کا مزار ہے۔" میں نے اور میرے ساتھیوں نے حاضری کا ارادہ کیا۔ ترکی ڈاکٹر سے پوچھا، باکشادہ پیشانی اجازت دی اور کہا "آپ کیساتھ کتنے آدمی ہوں گے؟" میں نے کہا "دس بارہ"، ان سب کو بھی اجازت دی اور ہم زیارت سے فارغ ہو کر آئے" جہاز اور کامران میں تقریباً روزانہ میرے بیانات ہوتے، جس میں اکثر مناسکِ حج کی تعلیم ہوتی اور وہ جو ہمیشہ میرے بیان کا مقصودِ اعظم رہتا ہے یعنی تعظیمِ شان

حضور سیدِ عالم ﷺ۔

ایک بہت بڑا رئیس بھی جہاز میں تھا۔ شریکِ وعظ ہوتا مسائل سنا کرتا مگر تعظیمِ شانِ اقدس ﷺ کے ذکر کے وقت اس کے چہرے پر بشاشت (یعنی خوشی) کی جگہ کدورت (یعنی ناخوشی) ہوتی ۔ میں سمجھا، وہابی ہے۔ دریافت کیئے سے معلوم ہوا کہ گنگوہی صاحب کا مرید ہے۔ اس روز میں نے روئے سخن (یعنی گفتگو کا رخ) ردِ وہابیہ و گنگوہی کی طرف پھیرا، جبراً وقہراً استتار رہا مگر دوسرے دن سے بیان میں نہ آیا میں نے حمد کی "کہ جلسہ پاک ہوا۔"

اب یہاں کامران میں نو دن ہو چکے ،کل جہاز پر جانا ہے۔ دفعتاً رات کو میرے سب ساتھیوں کو دردِ شکم واسہال (پیٹ کا درد اور دست) عارض (یعنی لاحق) ہوا، میرے درد تو نہ تھا، مگر پانچ بار اجابت (یعنی رفعِ حاجت) کو مجھے جانا ہوا، دن چڑھ گیا اور ڈاکٹر کے آنے کا وقت ہوا ،باہر ترکی مرد اور اندر عورتوں کو ترکیہ عورت روزانہ آکر دیکھا کرتے۔ میرے بھائی ننھے میاں کو اندیشہ ہوا اور عزم کرلیا کہ اپنی حالتوں کو ڈاکٹر سے کہہ دو۔ مجھ سے دریافت کیا میں نے کہا "اگر بیمار سمجھ کر روک لیئے گئے اور حج کا وقت قریب ہے، معاذ اللہ !وقت پر نہ پہنچ سکے تو کیسا خسارہ ہوگا ؟" کہا "اب ڈاکٹر اور ڈاکٹرنی آتے ہوں گے اگر انھیں اطلاع ہوئی تو ہمارا نہ کہنا اخفا (یعنی معاملہ چھپانے) میں نہ ٹھہرے گا ؟" میں نے کہا "ذرا ٹھہرو میں اپنے حکیم سے کہہ لوں۔" مکان سے باہر جنگل میں آیا اور حدیث کی دعائیں پڑھیں اور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ سے استمداد (یعنی مدد طلب کی) کہ دفعتاً سامنے سے حضرت سید شاہ غلام جیلانی صاحب سجادہ نشین سرکار ربانسہ شریف کہ اولادِ امجاد حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے تھے اور بمبئی سے ہمارا ان کا ساتھ ہو گیا تھا، سامنے سے تشریف لائے۔ ان کی تشریف آوری فالِ حسن (نیک شگون) تھی۔ میں نے ان سے بھی دعا کو کہا ،انھوں نے بھی دعا فرمائی۔

مجھے مکان سے باہر آئے شاید دس منٹ ہوئے ہوں گے، اب جو مکان میں جا کر دیکھا بحمد اللہ سب کو ایسا تندرست پایا گویا مرض ہی نہ تھا، درد وغیرہ کیسا اس کا ضعف بھی نہ رہا۔ سب ڈھائی تین میل پیادہ چل کر سمندر کے کنارے پہنچے۔ جدہ شریف میں جب جہاز پہنچا حجاج کی بے حد کثرت اور جانے کا صرف ایک راستہ' جو دو طرفہ ٹیٹوں (بانس یا سر کنڈوں کا بنا ہوا چھپر، جو دروازوں یا کھڑکیوں پر لگاتے ہیں) سے بہت دور تک محدود' بھلا ایسی حالت میں کس طرح گزر ہو' زنانی سواریاں ساتھ، پانچ گھنٹے اسی انتظار میں گزر گئے کہ ذرا ہجوم کم ہو تو سواریوں کو لے چلیں۔ لیکن یہ سلسلہ منقطع ہونا تھا نہ ہوا' یہاں تک کہ دوپہر قریب ہو گیا۔ دھوپ اور بھوک اور پیاس سب باتیں جمع تھیں کہ ننھے میاں نے مجھے آکر کہا "یہاں آخر کب تک بھوکے پیاسے دھوپ میں کھڑے رہیں گے۔" میں نے کہا "تمہیں جلدی ہے تو جاؤ، میں تاوقتیکہ (یعنی اس وقت تک کہ) بھیڑ کم نہ ہو، زنانی سواریوں کو نہ لے جاؤں گا۔" اب کس کی مجال تھی جو کچھ کہتا۔ مجبوراً خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک عربی صاحب جن کو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، میرے پاس تشریف لائے اور بعد سلام علیک پہلا لفظ یہ فرمایا "کیا سبب کہ میں آپ کو پریشان دیکھ رہا ہوں۔" میں نے عرض کی "پریشانی ظاہر ہے، ہمارے ساتھ مستورات ہیں اور مردوں کا یہ کثیر ہجوم' ہمیں پانچ گھنٹے یہیں کھڑے ہو گئے۔" فرمایا "اپنے مردوں کا حلقہ بنا کر عورتوں کو درمیان میں لے لو اور میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔" غرض حلقہ میں عورتوں کو لے کر ان عربی صاحب کے پیچھے ہو لئے۔ ہم نے دیکھا کہ راستہ بھر ہمارے شانے سے بھی کسی غیر شخص کا شانہ نہیں لگا۔ جب راستہ طے ہوا، فوراً وہ عربی صاحب نظروں سے غائب ہو گئے۔

جدہ پہنچتے ہی مجھے فوراً بخار آگیا اور میری عادت ہے کہ بخار میں سردی بہت معلوم

ہوتی ہے۔ محاذاتِ یلملم (یہ ہندوستان سے آنے والے حاجیوں کے لئے میقات ہے۔ میقات وہ مقام وحد ہے کہ جہاں سے آگے بغیر احرام کے جائز نہیں) سے بحمد اللہ تعالیٰ احرام باندھ چکا تھا۔ اس سردی میں رضائی گردن تک اوپر سے ڈال لیتا' کہ احرام میں چہرہ چھپانا منع ہے' سو جاتا آنکھ کھلتی تو بحمد اللہ تعالیٰ! گردن سے اصلا نہ بڑھی ہوتی۔ تین روز جدہ میں رہنا ہوا اور بخار ترقی پر ہے' آج چل کر جدہ کے کھلے میدان میں رات بسر کرنی ہوگی۔ بخار میں کیا حالت ہوگی۔ سرکار علیہ السلام سے عرض کی، بحمدہ تعالیٰ! بخار معاً جاتا رہا اور تیرھویں تک عود نہ کیا۔ جب بفضلہ تعالیٰ! تمام مناسکِ حج سے فارغ ہولئے، تیرھویں تاریخ بخار نے عود کیا۔ میں نے کہا "اب آیا کیجئے' ہمارا کام رب العزت نے پورا کر دیا۔"

بعدِ فراغ مناسکِ حج کتب خانۂ حرمِ محترم کی حاضری کا شغل رہا، پہلے روز جو حاضر ہوا' حامد رضا ساتھ تھے۔ محافظِ کتبِ حرم ایک وجیہہ و جمیل' عالمِ نبیل مولانا سید اسماعیل تھے۔ یہ پہلا دن ان کی زیارت کا تھا۔ یہ حضرت مثل دیگر اکابرِ مکہ مکرمہ اس فقیر سے غائبانہ خلوصِ تام (یعنی کامل محبت و عقیدت) رکھتے تھے' جس کا سبب میرا فتویٰ" **مسمی به فتاوی الحرمين لرجف ندوة المين** "تھا، کہ سات برس پہلے ۱۳۱۶ھ میں ردِّ ندوہ کے لئے، اٹھائیس سوال و جواب پر مشتمل، جسے میں نے بیس گھنٹے سے کم میں لکھا تھا اور بذریعہ بعض حجاج خادمانِ دین ان حضرات کے حضور پیش ہوا اور انہوں نے اپنی گراں بہا تقریظات سے اسے مزین فرمایا اور فقیر کو بے شمار اعلیٰ اعلیٰ درجے کے کلماتِ دعا و ثنا کا شرف دیا اور وہ مع ترجمہ ایک مبسوط (یعنی کشادہ) کتاب ہو کر بمبئی میں ۱۳۱۷ھ میں طبع ہو کر شائع ہو چکا تھا۔ اس وقت مولیٰ عزوجل نے اس ذرۂ بے مقدار کی کمالِ محبت و وقعت ان جلیل قلوب (یعنی بزرگ دلوں) میں ڈال دی

تھی، مگر ملاقاتِ ظاہری نہ ہوئی تھی۔ حضرت مولانا موصوف سے کچھ کتابیں مطالعہ کے لئے نکلوائیں۔ حاضرین میں سے کسی نے اس مسئلہ کا ذکر کیا کہ "قبل زوال رمی کیسی؟" مولانا نے فرمایا "یہاں کے علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔" حامد رضا خان سے اس بارے میں گفتگو ہو رہی تھی، مجھ سے استفسار ہوا (یعنی مسئلہ پوچھا گیا)۔ میں نے کہا "خلافِ مذہب ہے (یعنی مذہبِ حنفی کے خلاف ہے)۔" مولانا سید صاحب نے ایک متداول (یعنی مروج) کتاب کا نام لیا کہ "اس میں جواز کو علیه الفتوی لکھا ہے۔" میں نے کہا "ممکن ہے کہ روایتاً جواز ہو، مگر علیه الفتوی ہرگز نہ ہوگا۔" وہ کتاب لے آئے، مسئلہ نکلا اور اسی صورت سے نکلا جو فقیر نے گزارش کی تھی یعنی اس میں علیه الفتوی کا لفظ نہ تھا۔ حضرتِ مولانا نے حامد رضا خان سے کان میں جھک کر پوچھا "یہ کون ہے" اور حامد رضا خان کو بھی نہ جانتے تھے مگر اس وقت گفتگو انھی سے ہو رہی تھی، لہٰذا ان سے پوچھا۔ انھوں نے میرا نام لیا۔ نام سنتے ہی حضرتِ مولانا وہاں سے اٹھ کر بے تابانہ دوڑتے ہوئے آکر فقیر سے لپٹ گئے، پھر تو بحمد اللہ تعالیٰ دوا دو نے کامل ترقی کی۔ اس بار سرکارِ حرم محترم میں میری حاضری بے اپنے ارادے کے جس غیر متوقع اور غیر معمولی طریقوں پر ہوئی اس کا کچھ بیان اوپر ہو چکا ہے، وہ حکمتِ الٰہیہ یہاں آکر کھلی، سننے میں آیا کہ "وہابیہ پہلے سے آئے ہوئے ہیں جن میں خلیل احمد انبیٹھی اور بعض وزراء ریاست دیگر اہلِ ثروت بھی ہیں"، حضرت شریف تک رسائی پیدا کی ہے اور مسئلہ علم غیب چھیڑا ہے اور اس کے متعلق کچھ سوال اعلم علماءِ مکہ، حضرت مولانا شیخ صالح کمال سابق قاضی مکہ و مفتی حنفیہ کی خدمت میں پیش ہوا ہے۔

میں حضرت موصوف کی خدمت میں گیا۔ حضرت مولانا مولوی وصی

احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے عزیزی مولوی عبدالاحد صاحب بھی ہمراہ تھے۔ میں نے بعد سلام و مصافحہ 'مسئلہ علم غیب کی تقریر شروع کی اور دو گھنٹے تک اسے آیت واحادیث واقوال آئمہ سے ثابت کیا اور مخالفین جو شبہات کیا کرتے ہیں ان کا رد کیا۔ اس دو گھنٹے تک حضرت موصوف محض سکوت کے ساتھ ہمہ تن گوش ہو کر میرا منہ دیکھتے رہے۔ جب میں نے تقریر ختم کی، چپکے سے اٹھتے ہوئے قریب الماری رکھی تھی وہاں تشریف لے گئے اور ایک کاغذ نکال لائے جس پر مولوی سلامت اللہ صاحب رامپوری کے رسالہ "اَعْلَامُ الْاَذْکِیَا" کے اس قول کے متعلق کہ حضور اقدس ﷺ کو

"ھُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْم" لکھا چند سوال تھے اور جواب کی چار سطریں ناتمام اٹھا لائے مجھے دکھایا اور فرمایا "تیر آنا اللہ کی رحمت تھا ورنہ مولوی سلامت اللہ کے کفر کا فتویٰ یہاں سے جا چکا۔" میں حمدِ الٰہی بجالایا، فرودگاہ (یعنی قیام گاہ) پر واپس آیا۔ مولانا سے مقامِ قیام کا کوئی تذکرہ نہ آیا تھا۔ اب وہ فقیر کے پاس تشریف لانا چاہتے ہیں اور حج کا ہنگامہ اور جائے قیام نامعلوم، آخر خیال فرمایا ضرور کتب خانہ میں آیا کرتا ہوگا۔ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کی تاریخ ہے، بعدِ نمازِ عصر میں کتب خانے کے زینے پر چڑھ رہا ہوں' پیچھے سے ایک آہٹ معلوم ہوئی، دیکھا تو حضرت مولانا شیخ صالح کمال ہیں۔ بعدِ سلام و مصافحہ دفتر کتب خانہ میں جا کر بیٹھے۔ وہاں حضرت مولانا سید اسماعیل اور ان کے نوجوان سعید رشید بھائی سید مصطفیٰ اور انکے والد ماجد سید خلیل اور بعض حضرات بھی (کہ اس وقت یاد نہیں) تشریف فرما ہیں۔ حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے جیب سے ایک پرچہ نکالا جس پر علمِ غیب کے متعلق پانچ سوال تھے (یہ وہی سوال ہیں جن کا جواب مولانا نے شروع کیا تھا اور تقریر فقیر

کے بعد چاک فرمادیا) مجھ سے فرمایا "یہ سوال وہابیہ نے حضرت سیدنا کے ذریعے سے پیش کئے ہیں اور آپ سے جواب مقصود ہے۔" (سیدنا وہاں شریف مکہ کو کہتے ہیں کہ اس وقت شریف علی پاشا تھے) میں نے مولانا سید مصطفےٰ سے گزارش کی کہ "قلم دوات دیجئے۔" حضرت مولانا شیخ کمال و مولانا سید اسماعیل و مولانا سید خلیل سب اکابر نے کہ تشریف فرما تھے، ارشاد فرمایا کہ "ہم ایسا فوری جواب نہیں چاہتے بلکہ ایسا جواب ہو کہ خبیثوں کے دانت کھٹے ہوں۔" میں نے عرض کی کہ "اس کیلئے قدرے مہلت چاہئے۔ دو گھڑی دن باقی ہے اس میں کیا ہو سکتا ہے۔" حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے فرمایا "کل سہ شنبہ (پیر) پرسوں چہار شنبہ (منگل) ہے۔ ان دو روز میں ہو کر پنج شنبہ (جمعرات) کو مجھے مل جائے کہ میں شریف کے سامنے پیش کردوں۔"

میں نے اپنے رب عزوجل کی عنایت اور اپنے نبی ﷺ کی اعانت پر بھروسہ کرکے وعدہ کرلیا اور شانِ الٰہی کہ دوسرے ہی دن سے بخار نے عود کیا اسی حالتِ تپ (یعنی بخار) میں رسالہ تصنیف کرتا اور حامد رضا خان تبیض کرتے (یعنی مسودہ صاف کرکے لکھتے) اسکا شہرہ مکہ معظمہ میں ہوا کہ وہابیہ نے فلاں کی طرف سوال متوجہ کیا ہے اور وہ جواب لکھ رہا ہے۔ میں نے اس رسالہ میں غیوب خمسہ (یعنی 5 غیبی چیزیں) کی بحث نہ چھیڑی تھی کہ سائلوں کے سوال میں نہ تھی اور مجھے بخار کی حالت میں بحالِ تعجیلِ قصدِ تکمیل آج ہی' کہ میں لکھ رہا ہوں۔ حضرت شیخ الخطبا، کبیر العلما، مولانا شیخ احمد ابوالخیر مرداد کا پیام آیا کہ "میں پاؤں سے معذور ہوں اور تیرا رسالہ سننا چاہتا ہوں"، میں اسی حالت میں جتنے اوراق لکھے گئے لے کر حاضر ہوا۔ رسالہ کی قسم اول ختم ہو چکی تھی، جس میں اپنے مسلک کا ثبوت ہے۔ قسمِ دوم لکھی جارہی تھی جس میں وہابیہ کا رد اور ان کے سوالوں کا

جواب ہے۔ حضرت شیخ الخطباؒ نے اول تا آخر سن کر فرمایا "کہ اس میں علمِ خمس کی بحث نہ آئی۔" میں نے عرض کی "سوال میں نہ تھی۔" فرمایا "میری خواہش ہے کہ ضرور زیادہ ہو۔" میں نے قبول کیا۔ رخصت ہوتے وقت ان کے زانوئے مبارک کو ہاتھ لگایا حضرتِ موصوف نے باں فضل و کمال وباں کبرِ سال کہ عمر شریف ستر برس سے متجاوز تھی، یہ لفظ فرمائے کہ " اَنَا اُقَبِّلُ اَرْجُلَكُمْ، اَنَا اُقَبِّلُ اَنْعَالَكُمْ (آمیں میں تمھارے قدموں کو بوسہ دوں، میں تمھارے جوتوں کو بوسہ دوں۔)"

یہ میرے حبیبِ کریم ﷺ کی رحمت کہ ایسے اکابر کے قلوب میں اس بے وقعت کی یہ وقعت! میں واپس آیا اور شب ہی میں بحثِ خمس کو آگے بڑھایا۔ اب دوسرا دن چہار شنبہ کا ہے، صبح کی نماز پڑھ کر حرم شریف سے آتا ہوں کہ مولانا سید عبد الحیّ ابن مولانا سید عبد الکبیر محدثِ ملکِ مغرب (کہ اس وقت تک انکی چالیس کتابیں علوم حدیثیہ و دینیہ میں، مصر میں چھپ چکی تھیں)، ان کا خادم پیام لایا "مولانا تجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔" میں نے خیال کیا وعدے میں آج ہی کا دن باقی ہے اور بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ عذر کر بھیجا کہ " آج کی معافی دیں کل میں خود حاضر ہوؤں گا۔ فوراً خادم واپس آیا کہ "میں آج ہی مدینہ طیبہ جاتا ہوں، تبریز ہو چکی ہے (یعنی قافلے کے اونٹ بیرون شہر جمع ہو لئے ہیں)، ظہر پڑھ کر سوار ہو جاؤنگا۔ اب میں مجبور ہوا اور مولانا کو تشریف آوری کی اجازت دی، وہ تشریف لائے اور علومِ حدیث کی اجازتیں فقیر سے طلب فرمائیں اور لکھوائیں اور علمی مذاکرات ہوتے رہے یہاں تک کہ ظہر کی اذان ہوئی۔ وہاں زوال ہوتے ہی معاً اذان ہو جاتی اور وہ نماز میں حاضر ہوئے۔ بعدِ نماز وہ عازمِ مدینہ اور میں فرودگاہ میں واپس آیا۔

آج کے دن کا بڑا حصہ یوں بالکل خالی گیا اور بخار ساتھ ہے۔ بقیہ دن میں اور بعدِ عشاء، فضلِ الٰہی اور رسالت پناہی علیہ السلام نے کتاب کی تکمیل، تبیض سب پوری کرادی۔ "الدولة المکیة بالمادة الغیبة" اس کا تاریخی نام ہوا، اور پنجشنبہ کی صبح ہی کو حضرتِ مولانا شیخ صالح کمال کی خدمت میں پہنچادی گئی۔ مولانا نے دن میں اسے کامل طور پر مطالعہ فرمایا اور شام کو شریف صاحب کے یہاں لیکر تشریف لے گئے۔ عشاء کی نماز وہاں شروع وقت پر ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد نصف شب تک کہ عربی گھڑیوں میں چھ بجتے ہیں، شریف علی پاشا کا دربار ہوتا تھا، حضرتِ مولانا نے دربار میں کتاب پیش کی اور علی الاعلان فرمایا "اس شخص نے وہ علم ظاہر کیا جسکے انوار چمک اٹھے اور جو ہماری خواب میں بھی نہ تھا۔" حضرتِ شریف نے کتاب پڑھنے کا حکم دیا۔ دربار میں دو وہابی بیٹھے تھے ایک احمد فقیہ کہلاتا، دوسرا عبدالرحمٰن اسکوبی۔ انھوں نے مقدمۂ کتاب کی آمد ہی سن کر سمجھ لیا کہ "یہ کتاب رنگ بدل دیگی، شریف ذی علم ہیں، مسئلہ ان پر منکشف ہو جائے گا" لہٰذا چاہا کہ سننے نہ دیں، بحث میں الجھا کر وقت ضائع کریں۔ کتاب پر کچھ اعتراض کیا حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے جواب دیا۔ آگے بڑھے، انھوں نے پھر ایک مہمل اعتراض کیا، حضرت مولانا نے جواب دیا اور فرمایا "کتاب سن لیجئے پوری کتاب سننے سے پہلے اعتراض بے قاعدہ ہے، ممکن ہے آپ کے شکوک کا جواب کتاب ہی میں آئے اور نہ ہو تو جواب کا میں ذمہ دار ہوں اور مجھ سے نہ ہو سکا تو مصنف موجود ہے۔" یہ فرما کر آگے پڑھنا شروع کیا، کچھ دور پہنچے تھے، انھیں الجھانا مقصود تھا پھر معترض ہوئے۔ اب حضرت مولانا نے حضرت شریف سے کہا کہ "سیدنا حضرت شریف کا حکم ہے کہ میں کتاب پڑھ کر سناؤں اور یہ جا بے جا الجھتے ہیں، حکم ہو تو ان کے اعتراضوں کا جواب دوں یا حکم ہو تو کتاب پڑھ کر سناؤں۔" شریف صاحب نے فرمایا "اقرأ

آپ پڑھیے "اب انکی ہاں کو کون روک سکتا تھا، معترضوں کا منہ مارا گیا اور مولانا کتاب سناتے رہے اس کے دلائل قاہرہ سن کر مولانا شریف نے بآوازِ بلند فرمایا "اَللّٰہُ یُعْطِیْ وَھٰؤُلَاءِ یَمْنَعُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ تو اپنے حبیب ﷺ کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے اور یہ وہابیہ منع کرتے ہیں۔" یہاں تک کہ نصفِ شب تک نصف کتاب سنائی، اب دربار برخاست ہونے کا وقت آگیا۔ شریف صاحب نے حضرت مولانا سے فرمایا کہ "یہاں نشانی رکھ دو۔" کتاب بغل میں لے کر بالاخانہ پر آرام کیلئے تشریف لے گئے وہ کتاب آج تک انہیں کے پاس ہے۔ اصل سے متعدد نقلیں مکہ معظمہ کے علماء کرام نے لیں اور تمام مکہ معظمہ میں کتاب کا شہرہ ہوا' وہابیہ پر اوس پڑھ گئی۔ بفضلہ تعالیٰ! سب لوہے ٹھنڈے ہوگئے۔ گلی کوچہ میں مکہ معظمہ کے لڑکے ان کا تمسخر کرتے کہ "اب کچھ نہیں کہتے اب وہ جوش کیا ہوئے اب مصطفےٰ ﷺ کے لئے علوم غیب ماننے والوں کو کافر کہنا کدھر گیا۔ تمہارا کفر و شرک تمہیں پر پلٹا۔" وہابیہ کہتے "اس شخص نے کتاب میں منطقی تقریریں بھر کر شریف پر جادو کر دیا۔" مولا عزوجل کا فضل، حبیب اکرم ﷺ کا کرم کہ علماء کرام نے کتاب پر تقریظیں لکھنا شروع کیں، وہابیہ کا دل جلتا اور بس نہ چلتا آخر اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح فریب کر کے تقریظات تلف کر دی جائیں ایک جگہ جمع ہوئے اور حضرت مولانا ابو الخیر مرداد سے عرض کی کہ "ہم بھی کتاب پر تقریظیں لکھنا چاہتے ہیں کتاب ہمیں منگوا کر دیجئے۔" وہ سیدھے مقدس بزرگ ان کے فریبوں کو کیا جانیں۔ اپنے صاحب زادے مولانا عبد اللہ مرداد کو میرے پاس بھیجا کہ "یہ صاحب مسجدِ حرام کے امام ہیں اور اسی زمانے میں فقیر کے ہاتھ پر بیعت فرما چکے ہیں۔" حضرت مولانا ابو الخیر کا منگانا اور مولانا عبد اللہ مرداد کا لینے کو آنا' مجھے شبہہ کی کوئی وجہ نہ ہوتی' مگر مولیٰ عزوجل کی رحمت میں اس وقت کتب خانہ حرم شریف میں تھا۔ حضرت مولانا اسماعیل کو اللہ عزوجل جناتِ عالیہ میں حضور

رحمتِ عالم ﷺ کی رفاقت عطا فرمائے، قبل اس کے کہ میں کچھ کہوں نہایت ترشی اور جلالِ سیادت سے فرمایا "کہ کتاب ہرگز نہ دی جائے گی، جو تقریظیں لکھنی ہوں لکھ کر بھیج دو۔" میں نے گذارش بھی کی کہ "حضرت مولانا ابوالخیر منگاتے ہیں اور ان کے صاحبزادے لینے آتے ہیں اور ان کا جو تعلق فقیر سے ہے، آپ کو معلوم ہے۔" فرمایا "جو لوگ وہاں جمع ہیں ان کو میں جانتا ہوں، وہ منافقین ہیں۔ انہوں مولانا ابوالخیر کو انہوں نے دھوکا دیا ہے۔" یوں اس عالمِ نبیل سیدِ جلیل کی برکت نے کتاب بحمداللہ تعالیٰ محفوظ رکھی۔ وللہ الحمد! جب وہابیہ کا یہ مکر بھی نہ چلا اور مولانا شریف کے یہاں سے بحمدہ تعالیٰ ان کا منہ کالا ہوا ایک ناخواندہ (یعنی ان پڑھ) جاہل کہ نائب الحرام کہلاتا (اسے کسی طرح اپنے) موافق کیا۔ احمد راتب پاشا اس زمانہ میں گورنر مکہ معظمہ تھے، آدمی ناخواندہ مگر دیندار، ہر روز بعدِ عصر طواف کرتے۔ خیال کیا کہ "شریف ذی علم تھے کتاب سن کر معتقد ہوگئے یہ بے پڑھا فوجی آدمی ہمارے بھڑکائے سے بھڑک جائے گا۔" ایک روز یہ طواف سے فارغ ہوئے ہیں، کہ نائب الحرم نے ان سے گذارش کی "کہ ایک ہندی عالم نے ہندوستان بہت لوگوں کے عقیدے بگاڑ دیئے ہیں اور اب اہل مکہ کے عقیدے خراب کرنے آیا ہے۔" اور ساتھ دل میں یہ سوچا "کہ یوں کیونکر جمے گی کہ ایک ہندی مکیوں کے عقیدے بگاڑ دے" لہٰذا مجبورانہ اس کے ساتھ یہ کہنا پڑا "کہ اور اکابر علماء مثل شیخ العلماء سید محمد سعید بابصیل و مولانا شیخ صالح کمال و مولانا ابوالخیر مرداد اس کے ساتھ ہوگئے ہیں۔" مولیٰ تعالیٰ کی شان کہ یہ واقعی بات جو اس نے مجبورانہ کہی، اس پر الٹی پڑی۔ پاشا نے بکمالِ غضب ایک چپت اس کی گردن پر جمائی اور کہا "یَا خَبِیْثُ ابْنَ الْخَبِیْثِ یَا کَلْبُ ابْنَ الْکَلْبِ اِذَا کَانَ هٰؤُلَاءِ مَعَهٗ فَهُوَ یُفْسِدُ اَمْ یُصْلِحُ (اے خبیث ابن خبیث، اے کتے کے بچے، جب یہ اکابر اس کے ساتھ ہیں تو وہ خرابی ڈالے گا یا

اصلاح کرے گا۔)'' اس روز سے مولانا سید اسماعیل وغیرہ اسے ناھب الحرم (یعنی حرم کا لٹیرا) کہتے اور احمد فقیہ کو احمق سفیہ اور ایک اور مخالف کو معصوم۔ مولانا شریف کا دربارِ مہذب تھا وہاں دہابیہ کو مہذب ذلت پہنچی۔ یہ جنگی فوجی ترک کا سامنا تھا اسی طریقے کی ذلت پائی۔

دولت مکیہ کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے کچھ پہلے سے بفضلہٖ تعالیٰ ''**حسام الحرمین** [1]'' کی کاروائی جاری کی اکابرؒ نے جو عالیشان تقریظات اس پر لکھیں، آپ حضرات کے پیشِ نظر ہیں۔ لہٰذا ہی میں یہ فتویٰ حضرت مولانا شیخ صالح کمال کے پاس تقریظ کو گیا تھا، ادھر حضرت مولانا شیخ صالح کمال سنانے کے ضمن میں حضرت شریف سے خلیل احمد کے عقائد ضالہ (گمراہ عقائد) اور اس کی کتاب ''براہینِ قاطعہ'' کا بھی ذکر کر دیا تھا۔ انبیٹھی صاحب کو خبر ہوئی، مولانا کے پاس کچھ اشرفیاں نذرانہ لے کر پہنچے اور عرض کی کہ ''حضرت مجھ پر کیوں ناراض ہیں؟'' فرمایا ''کیا تم خلیل احمد ہو؟'' کہا ''ہاں'' مولانا نے فرمایا ''تجھ پر افسوس تو نے براہینِ قاطعہ میں وہ شنیع (یعنی بری اور خراب) باتیں کیسے لکھی ہیں، میں تو تجھے زندیق (یعنی بے دین) لکھ چکا ہوں'' (اس سے پہلے مولانا غلام دستگیر قصوری مرحوم کتاب ''**تقدیس الوکیل من توہین الرشید والخلیل**'' لکھ کر علمائے مکہ سے تقریظیں لے چکے تھے، اس پر مولانا شیخ صالح کمال کی بھی تقریظ ہے اور اس میں انبیٹھی صاحب اور ان کے استاد کو زندیق لکھا ہے) انبیٹھی صاحب نے کہا ''حضرت! جو باتیں میری طرف نسبت کی گئی ہیں افترا ہیں، میری کتاب میں نہیں ہیں۔'' فرمایا ''تمہاری کتاب ''براہین قاطعہ'' چھپ کر شائع ہو چکی ہے اور میرے پاس موجود ہے۔'' انبیٹھی نے کہا ''حضرت! کیا کفر سے توبہ قبول نہیں ہوتی؟'' فرمایا ''ہوتی ہے۔'' مولانا نے

---

[1] اس کتاب میں علماءِ حرمینِ طیبین کی جانب سے بد مذہبوں کی مذمت اور ان کے لئے حکمِ کفر درج ہے۔۔۔۔

چاہا، کسی مترجم کو بلائیں اور براہین قاطعہ انبیٹھی صاحب کو دکھا کر ان کلمات کا اقرار کرا کر توبہ لیں مگر انبیٹھی صاحب رات ہی میں جدہ کو فرار ہو گئے۔ حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے حضرت مولانا سید اسماعیل کو اس واقعہ کی اطلاع کا خط بھیجا' انہوں نے بعینہ اپنے خط میں رکھ کر مجھے بھیج دیا۔ وہ خط اب تک میرے پاس محفوظ ہے۔ صبح کو حضرت مولانا شیخ صالح کمال فقیر کے پاس تشریف لائے اور خود یہ واقعہ بیان کیا اور فرمایا "میں نے سنا کہ وہ رات ہی بھاگ گیا۔" میں نے کہا "مولانا آپ نے بھگا دیا۔" فرمایا "میں نے؟" میں نے کہا "ہاں آپ نے۔" فرمایا "یہ کیونکر؟" میں نے عرض کیا "جب اس نے آپ سے پوچھا" کہ کیا کافر کی توبہ قبول نہیں ہوتی؟" آپ نے کیا فرمایا؟" فرمایا "میں نے کہا ہوتی ہے۔" میں نے کہا "اسی نے اسے بھگایا' آپ کو یہ فرمانا تھا "جو رسول اللہ ﷺ کی توہین کرے اس کی توبہ قبول نہیں۔" فرمایا "واللہ! یہ مجھ سے رہ گئی۔" میں نے کہا "تو آپ ہی نے بھگایا۔"

زمانۂ قیام میں علماء عظماء مکہ معظمہ نے بکثرت فقیر کی دعوتیں بڑے اہتمام سے کیں۔ ہر دعوت میں علماء کا مجمع ہوتا' مذاکراتِ علمیہ رہتے۔ شیخ عبدالقادر کردی مولانا شیخ صالح کمال کے شاگرد تھے۔ مسجد الحرام شریف کے احاطے ہی میں ان کا مکان تھا انہوں نے تقرر دعوت (یعنی دعوت مقرر کرنے) سے پہلے باصرارِ تمام (بہت زیادہ اصرار کے ساتھ) پوچھا کہ "تجھے کیا چیز مرغوب ہے؟" ہر چند عذر کیا نہ مانا آخر گذارش کی کہ "اَلْحُلْوُ الْبَارِدُ یعنی شیریں سرد۔" ان کے یہاں دعوت میں انواع اطعمہ (کھانوں کی اقسام) جیسے اور جگہ ہوتے تھے' ان کے علاوہ ایک عجیب نفیس چیز پائی کہ اس "اَلْحُلْوُ الْبَارِدُ" کی پوری مصداق تھی' نہایت شیریں و سرد اور خوش ذائقہ! ان سے پوچھا" کہ اس کا نام کیا ہے؟" کہا "رِضَی الْوَالِدَیْن (یعنی ماں باپ کو راضی کرنا)" اور وجہ

تسمیہ (نام رکھنے کی وجہ) یہ بتائی کہ "جس کے ماں باپ ناراض ہوں یہ پکا کر کھلائے راضی ہو جائیں۔" فقیر دعوتوں کے علاوہ صرف چار جگہ ملنے کو جاتا' مولانا شیخ صالح کمال اور شیخ العلما مولانا محمد سعید بابصیل اور مولانا عبدالحق مہاجر الہ آبادی اور کتب خانے میں مولانا سید اسماعیل کے پاس رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ یہ حضرات اور باقی تمام حضرات فرودگاہ فقیر پر تشریف لایا کرتے۔ صبح سے نصف شب کے قریب ملاقاتوں ہی میں وقت صرف ہوتا' مولانا شیخ صالح کمال کی تشریف آوری کی تو گنتی نہیں اور مولانا سید اسماعیل التزاما (یعنی ضروری قرار دے لینے کے طور پر) روزانہ تشریف لاتے۔ خصوصا ایامِ علالت (یعنی بیماری کے دنوں) میں کہ یکم محرم ۱۳۲۴ھ سے سلخ محرم (یعنی محرم کے آخری دن تک) تک مسلسل رہی' دن میں دوبار بھی تشریف لاتے' اور ایک بار کا آنا تو ناغہ ہی نہ ہوتا۔ آخرِ محرم میں کہ طبیعت بہت روبہ صحت ہو گئی تھی' ایک ضرورت کے سبب دو روز تک تشریف لانا نہ ہوا، ان دو روز میں میرا ان کی طرف اشتیاق میں ہی جانتا ہوں۔ میں نے ان سید جلیل کو ایک پرچہ پر یہ تین شعر لکھ کر بھیجے۔

هٰذَانِ یَوْمَانِ مَا فُزْنَا بِطَلْعَتِكُمْ وَلَوْ قَدَرْنَا جَعَلْنَا رَأْسَنَا قَدَمَا

﴿یہ دو دن کہ ہمیں دیدار نہ ملا اور اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم سر کے بل آتے﴾

قَالُوْا لِقَاءُ خَلِیْلٍ لِلْعَلِیْلِ شِفَاءٌ" اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ تُبْرِؤُا لَنَا سَقَمَا

﴿لوگ کہتے ہیں "دوست کا آنا مرض کا جانا ہے" کیا آپ ہمارے مرض کی شفا نہیں چاہتے؟﴾

عَوَّدْتُمُوْنَا طُلُوْعَ الشَّمْسِ کُلَّ ضُحًی وَهَلْ سَمِعْتُمْ کَرِیْمًا یَقْطَعُ الْکَرَمَا

﴿آپ نے ہمیں عادی کر دیا کہ ہر چاشت کو سورج طلوع کرے اور آپ نے کسی کریم کو سنا ہے کہ کرم قطع کرے﴾

اس رقعہ کو دیکھ کر سیدِ موصوف کی جو کیفیت ہوئی حاملِ رقعہ نے دیکھی۔ فوراً اس کیساتھ ہی تشریف لے آئے اور پھر روزِ رخصت تک کوئی دن خالی جانا مجھے یاد نہیں۔ حضرت مولانا عبدالحق آبادی کو چالیس سال سے زائد مکہ

معظمہ میں گزرے تھے، کبھی شریف کے ہاں بھی تشریف نہ لے گئے۔ قیام گاہِ فقیر پر دوبارہ تشریف لائے۔ مولانا سید اسماعیل وغیرہ ان کے تلامذہ فرماتے تھے کہ "محض خرقِ عادت (یعنی عادت کے بر خلاف) ہے۔ مولانا کا دم (ذات) بسا (بہت) غنیمت تھا ہندی تھے، مگر ان کے انوار مکہ میں چمک رہے تھے۔ التزاماً ہر سال حج کرتے۔ مولانا سید اسماعیل فرماتے تھے کہ ایک سال زمانۂ حج میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب بہت علیل اور صاحبِ فراش تھے، نویں تاریخ اپنے تلامذہ (شاگردوں) سے کہا مجھے حرم شریف لے چلو! کئی آدمی اٹھا کر لائے۔ کعبۂ معظمہ کے سامنے بٹھایا، زمزم شریف منگا کر پیا اور دعا کی کہ "الٰہی حج سے محروم نہ رکھ۔" اسی وقت مولا تعالیٰ نے ایسی قوت عطا فرمائی کہ اٹھ کر اپنے پاؤں سے عرفات شریف گئے اور حج ادا کیا مکہ معظمہ میں بنام علم کوئی صاحب ایسے نہ تھے جو فقیر کو ملنے نہ آئے ہوں سوا شیخ عبداللہ بن صدیق بن عباس کے، کہ اس وقت، مفتی حنفیہ تھے اور وہاں مفتی حنفیہ کا منصب شریف سے دوسرے درجے میں سمجھا جاتا ہے، اپنے منصب کی جلالت قدر نے انھیں فقیر غریب الوطن کے پاس آنے سے روکا، اپنے ایک شاگردِ خاص کو فقیر کے پاس بھیجا کہ حضرت مفتی حنفیہ نے بعدِ سلام کے فرمایا ہے کہ میں آپ کی زیارت کا بہت مشتاق ہوں، مولانا سید اسماعیل اس وقت میرے پاس بیٹھے تھے۔ میں نے چاہا کہ حاضری کا وعدہ کروں مگر اللہ اعلم! حبیب اکرم ﷺ کے کرم نے ان اکابر کے دل میں اس ذرۂ بے مقدار کی کیسی وقعت ڈالی تھی، فوراً روکا اور فرمایا "واللہ! یہ نہ ہوگا، تمام علماء ملنے آئے وہ کیوں نہیں آتے ہیں۔" ان کی قسم کے سبب مجبور رہا مگر تقدیرِ الٰہی میں ان سے ملنا تھا اور نئی شان سے تھا، اس کا ذریعہ ہوا کہ انھیں دنوں میں مولانا عبداللہ مرداد مولانا حامد احمد محمد جدادی نے نوٹ کے بارے میں فقیر سے استفتا۔

(یعنی فتویٰ طلب) کیا تھا جس میں بارہ سوال تھے اور میں نے "بجمالِ استعجال (یعنی نہایت جلدی)" اسکے جواب میں رسالہ "**کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراھم**" تصنیف کیا تھا، وہ تبیض کے لئے حرم شریف کے کتب خانے میں سید مصطفےٰ، برادرِ خورد مولانا سید اسماعیل کے پاس تھا، کہ نہایت جمیل الخط ہیں۔ زمانۂ سابق میں جب میرے استاذ الاستاذ حضرت مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ علیہ مفتی حنفیہ تھے، ان سے نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا اور جواب تحریر فرمایا تھا کہ علم گردنوں علماء لامانت ہے۔ مجھے اس کے جزئیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کچھ حکم دوں۔ ایک دن میں کتب خانہ میں جاتا اور ایک شاندار صاحب کو بیٹھے دیکھتا ہوں کہ میرا رسالہ "**کفل الفقیہ**" مطالعہ کررہے ہیں۔ جب اس مقام پہنچے، جہاں میں نے فتح القدیر سے یہ عبارت نقل کی ہے "اگر کوئی شخص اپنے ایک کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے جائز ہے مکروہ نہیں"۔ پھڑک اٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے

"أَیْنَ جَمَالُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ مِنْ ھٰذَا النَّصِّ الصَّرِیْحِ

(حضرت جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہے)"

پھر کوئی مسئلہ دیکھنا تھا اس کیلئے کتابیں نکلوائیں ان کی عبارتیں نکال کر نقل کرنا چاہتے تھے اور میں رسالہ کی نقل کی تصحیح کررہا تھا۔ اس وقت تک نہ انھوں مجھے جانا ہے نہ میں نے ان کو، اتنے میں انہوں نے دوات ایک ایسی کتاب پر رکھ دی جسے نہ دیکھ رہے تھے نہ اس سے کچھ نقل کررہے تھے، میں نے ان پر نہ اعتراض کیا بلکہ کتاب کی تعظیم کے لئے اٹھا کر نیچے رکھ دی اور کہا "**بحرالرائق الکراہیہ**" میں اس کے جواز کی تصریح ہے۔ میں نے ان سے یہ تو نہ کہا کہ "**بحرالرائق الکراہیہ**" تک کب پہنچی۔ وہ کتاب القضا میں ہی ختم ہوگئی

ہے۔ ہاں یہ کہ ایسا نہیں بلکہ ممانعت کی تصریح فرمائی ہے مگر لکھتے وقت بضرورت مثلاً ورق ہوا سے اڑیں نہیں۔ کہا "میں لکھنا ہی تو چاہتا ہوں" میں نے کہا "ابھی لکھتے تو نہیں ہو"، وہ خاموش رہے اور حضرت سید اسماعیل سے مجھے پوچھا انہوں نے فرمایا "یہ ہی اسی رسالہ کا مصنف ہے۔" اب ملے مگر خجلت کیساتھ اور خجلت کیساتھ اٹھ گئے۔ حضرت سید اسماعیل نے فرمایا "سبحان اللہ! یہ کیسا واقعہ ہوا۔" یہ چہارم صفر ۱۳۲۴ھ تھی' اس سے پہلے محرم شریف میں شدید و مدید دورۂ بخار کا رہ چکا تھا۔ دو بار مسہل (جلاب) ہوئے، ایک بار ایک ہندی کی رائے سے اور نفع نہ ہوا، دوبارہ ایک ترکی ڈاکٹر رمضان آفندی نے بہت قلیل مقدار میں ایک نمک دیا کہ "آب زمزم شریف میں ملا کر پی لو اور پیاس بے پیاس آب زمزم شریف کی کثرت کرو"، اس سے بحمد اللہ بہت نفع ہوا، اور انھوں نے دوا وہ بتائی جو مجھے بالطبع محبوب و مرغوب تھی یعنی زمزم شریف کہ مجھے ہر مشروب سے زیادہ عزیز ہے، میری عادت ہے کہ باسی پانی کبھی نہیں پیتا اور اگر پیوں تو بانکہ (اس کے باوجود کہ) مزاج گرم ہے، فوراً زکام ہو جاتا ہے۔ میری پیدائش سے پہلے حکیم سید وزیر علی مرحوم نے میرے یہاں باسی کو منع کر دیا تھا، جب سے معمول ہے کہ رات کے گھڑے بالکل خالی کر کے پینے کا پانی بھرا جاتا ہے تو میں نے دودھ بھی باسی پانی کا نہ پیا' نہ کبھی نہار منہ پیتا ہوں' نہ کبھی کھانے کے سوا اور وقت میں گرمیوں کی سہ پہر میں جو پیاس ہوتی ہے اس میں کلیاں کرتا ہوں' اس سے تسکین ہوتی ہے۔ مگر زمزم شریف کی برکت کہ صحت میں، مرض میں، دن میں، رات میں، تازہ باسی، بکثرت پیا' اور نفع ہی کیا۔ زورقین (یعنی چھوٹے ڈونگے) ہر وقت بھری رکھی رہتی تھیں' بخار کی شدت میں رات کو جب آنکھ کھلی، کلی کر کے زمزم شریف پی لی، صبح وضو سے پہلے پیتا۔ بارہ بارہ زورقیں ایک دن ایک رات میں

بصرف میرے صرف (یعنی خرچ) میں آتیں' پونے تین مہینے کے قیامِ مکہ میں' مَیں نے حساب کیا تو تقریباً چار من زمزم شریف میرے پینے میں آیا ہو گا۔ حضرت مولانا سید اسماعیل کو اللہ تعالیٰ' جنات عالیہ عطا فرمائے' میری واپسیِ حج کے چند سال بعد جب ۱۳۲۸ھ میں مجھ سے ملنے آئے ہیں اور میرے شوق زمزم کا ذکر ہوا' فرمایا تھا کہ "ہر مہینے اتنے طنک یعنی پیپے بھیج دیا کروں گا کہ تمہارے ایک مہینے کے صرف کو کافی ہوں گے۔" مگر یہاں سے جاتے ہی انہیں سفر بابِ عالی کی ضرورت ہوئی اور مشیتِ الٰہی کہ وہیں انتقال فرمایا رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

محرم شریف مجھے تقریباً بخار ہی میں گزرا' اسی حالت میں علمأ کرام کو اجازات لکھی جاتیں اور اسی حالت میں "**کفل الفقیہ**" تصنیف ہوا۔ وہاں پلنگ کا بھی رواج نہیں، بالا خانوں میں زمین پر فرش ہیں' اس پر سوتے ہیں۔ مگر حضرت سید اسماعیل و حضرت مولانا شیخ صالح کمال رحمہا اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ایک عمدہ پلنگ منگوا دیا تھا۔ ایامِ مرض میں میں اسی پر سوتا اور علماء عظماء عیادت کو آتے اور فرش پر تشریف رکھتے' میں اس سے نادم ہوتا ہر چند چاہتا کہ نیچے اتروں مگر قسموں سے مجبور فرماتے۔ امتدادِ مرض (یعنی درازیِ مرض) میں مجھے زیادہ فکر حاضریِ سرکارِ اعظم ﷺ کی تھی۔ جب بخار کو امتداد دیکھا' میں نے اسی حالت میں قصدِ حاضری کیا' یہ علماء مانع (یعنی روکنے والے) ہوئے۔ اوّل تو یہ فرمایا" کہ حالت تمہاری یہ ہے اور سفر طویل"۔ میں نے عرض کی "اگر سچ پوچھیے تو حاضری کا اصل مقصود زیارتِ طیبہ ہے' دونوں بار اسی نیت سے گھر سے چلا معاذ اللہ اگر یہ نہ ہو تو حج کا کچھ لطف نہیں۔" انہوں نے پھر اصرار اور میری حالت کا اشعار کیا۔ میں نے حدیث "**مَنْ حَجَّ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ**"

پڑھی فرمایا "تم ایک بار تو زیارت شریف کر چکے ہو۔" میں نے کہا "میرے نزدیک حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ عمر میں کتنے ہی حج کرے زیارت ایک بار کافی ہے بلکہ ہر حج کے ساتھ زیارت ضرور ہے۔ اب آپ دعا فرمایئے کہ میں سرکار ﷺ تک پہنچ لوں، روضۂ اقدس پر ایک نگاہ پڑ جائے، اگرچہ اسی وقت دم نکل جائے۔"

حضرت مولانا شیخ صالح کمال کو اللہ تعالیٰ جناتِ عالیہ عطا فرمائے، باآں فضل و کمال کہ میرے نزدیک مکہ معظمہ میں ان کے پائے کا دوسرا عالم نہ تھا، اس فقیر حقیر سے ساتھ غایتِ اعزاز بلکہ ادب کا برتاؤ رکھتے، بار بار کے اصرار کے ساتھ مجھ سے اجازت نامہ لکھوایا، جسے میں نے ادباً کئی روز ٹالا، جب مجبور فرمایا، لکھ دیا۔ تین تین پہر میری ان کے ساتھ مجالست ہوتی اور اس میں سوا مذاکراتِ علمیہ کے کچھ نہ ہوتا۔ جس زمانہ میں قاضی مکہ معظمہ رہے تھے اس وقت کے اپنے فیصلوں کے مسئلے دریافت فرماتے، حقیر جو بیان کرتا، اگر ان کے فیصلہ کے موافق ہوتا، بشاشت و خوشی کا اثر چہرہ مبارک پر ظاہر ہوتا اور مخالف ہوتا تو ملال و کبیدگی، اور سمجھتے کہ مجھ سے حکم میں لغزش ہوئی مجھے بھی ان دونوں صاحبوں کے کرم کے سبب ان سے کمال بے تکلفی، ہر قسم کی بات گذارش کر دیتا۔ ایک بار کہا "موذنوں نے یہ جو اذان و اقامت تکبیرات انتقال میں نغمات ایجاد کئے ہیں آپ حضرات ان سے منع نہیں فرماتے۔ فتح القدیر میں مبلغ (یعنی مکبّر) کے نغموں کو مفسدِ نماز لکھا ہے اور یہ کہ اس کی تکبیرات پر جو مقتدی رکوع و سجود وغیرہ افعال نماز کرے گا، اسکی نماز نہ ہوگی۔ فرمایا "حکم یہی ہے، مگر ان پر علماء کا بس نہیں یہ جانبِ سلطنت سے ہیں۔" ایک جمعہ میں میں خطیب کے قریب تھا۔ اس نے خطبہ میں پڑھا "وَارْضَ عَنْ اَعْمَامِ نَبِیِّکَ الْاَطَائِبِ حَمْزَۃَ وَالْعَبَّاسِ وَاَبِیْ طَالِبٍ"، یہ بدعت تازہ ایجاد ہوئی۔ پہلی بار کی

حاضری میں نہ تھی اور یہ بد لہذٗ جانبِ حکومت سے تھی اسے سنتے ہی فوراً میری زبان سے بآوازِ بلند نکلا "اَللّٰھُمَّ ھٰذَا مُنْکَر"، کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے "مَنْ رَاٰیٔ مِنکُمْ مُنکَراً فَلْیُغَیِّرْہٗ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَ ذَالِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ (یعنی تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو چاہیئے کہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو اپنے دل سے اور یہ کمزور ایمان ہے۔)" فقیر بتوفیقِ رب کریم یہ حکم احکم بر وجہ اوسط (یعنی درمیانی صورت کے ساتھ) بجالایا اور مولیٰ تعالیٰ کی رحمت کہ کسی کو تعرض کی جرأت نہ ہوئی۔ فرضوں کے بعد ایک اعرابی نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا "رَاَیْتَ (تم نے دیکھا)۔" میں نے کہا "رَاَیْتُ ہاں دیکھا" کہا "لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" اور تشریف لے گئے۔ ان دونوں اکابر علماء نے ہماری مجلسِ خلوت میں اس کی مبارک باد دی کہ اس ردّ منکر پر کوئی معترض نہ ہوا اور ساتھ ہی فرمایا کہ ایسے امور میں کہ جانبِ حکومت سے ہیں، سکوت شایاں (یعنی لائق و مناسب) ہے۔

اسی واقعۂ مفتی حنفیہ کے وقت میں نے جناب سید مصطفےٰ خلیل برادر حضرت مولانا سید سماعیل سے کہا "ھَلْ عِنْدَ کُمْ شَیٔ" مِنْ ھَزْمَۃِ جِبْرِئِیل (آپ کے پاس سیدنا جبریل علیہ الصلوۃ والسلام کی ٹھوکر کا کچھ بقیہ ہے۔)" سید زادے نے فرمایا "نَعَمْ (یعنی ہاں)" اور کٹورے میں زمزم شریف لائے، میں اسے ضعف کے سبب بیٹھا ہی ہوا پی رہا تھا، آنکھیں نیچی تھیں، جب نظر اٹھائی دیکھا تو وہ سیدِ جلیل مؤدب ہاتھ باندھے کھڑے ہیں یہاں تک کہ کٹورا میں نے انہیں دیا۔ یہ حال ان معظم و معزز بندگانِ خدا کے ادب و اجلال (بزرگی دینا)

کا تھا۔ بایں ہمہ (یعنی باوجود) شدتِ مرض و شوقِ مدینہ طیبہ میں جب وہ جملہ میں نے کہا کہ "روضۂ انوار پر ایک نگاہ پڑ جائے، پھر دم نکل جائے۔" دونوں علماء کرام کا غصہ سے رنگ متغیر ہو گیا اور حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے فرمایا ہرگز نہیں بلکہ "تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ ثُمَّ يَكُوْنُ (تو روضہ انور پر اب حاضر ہو کر پھر حاضر ہو، پھر حاضر ہو، پھر مدینہ طیبہ میں وفات نصیب ہو۔)" مولا تعالیٰ! ان کی دعا قبول فرمائے۔ ان کی اس غایت محبت کے غصہ نے مجھے وہ حالت یاد دلائی، جو اس حج سے تیرہ چودہ برس پہلے میں نے خواب میں اپنے حضرت والدِ ماجد قدس اللہ سرہ العزیز سے دیکھی تھی۔ میں اس زمانہ بشدتِ دردِ کمر اور سینہ میں مبتلا تھا اسے بہت امتداد و اشتداد ہوا تھا۔ ایک روز دیکھا کہ حضرت تشریف لائے اور حضرت کے شاگرد مولوی برکات احمد صاحب مرحوم کہ میرے پیر بھائی اور حضرت پیر مرشدِ برحق رضی اللہ عنہ کے فدائی تھے۔ کم ایسا ہوا ہوگا کہ حضرت پیر مرشد کا نام پاک لیتے اور ان کے آنسو رواں نہ ہوتے۔ جب انکا انتقال ہوا، اور میں دفن کے وقت انکی قبر میں اترا، مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی، جو پہلی بار روضہ انور کے قریب پائی تھی۔ انکے انتقال کے دن مولوی سید امیر احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارتِ اقدس سیدِ عالم ﷺ سے مشرف ہوئے کہ "گھوڑے پر تشریف لئے جاتے ہیں عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ! کہاں تشریف لے جاتے ہیں۔" فرمایا "برکات احمد کے جنازے کی نماز پڑھنے۔" الحمد للہ! یہ جنازۂ مبارکہ میں نے پڑھایا اور یہ وہی برکات احمد ﷺ تھیں کہ محبت پیر و مرشد کے سبب انھیں حاصل ہوئیں۔ "ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ (ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔)" ہاں تو اس

خواب میں دیکھا کہ مولوی برکات احمد صاحب بھی حضرت والد ماجد قدس سرہ العزیز کے ہمراہ میری عیادت کو تشریف لائے۔ دونوں حضرات نے مزاج پرسی فرمائی۔ میں شدتِ مرض سے تنگ آچکا تھا، زبان سے نکلا کہ "حضرت دعا فرمائیں کہ اب خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔" یہ سنتے ہی حضرت والد ماجد کا رنگ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا "ابھی تو باون برس مدینہ شریف میں" واللہ اعلم! اس ارشاد کے کیا معنی تھے مگر اس کے باوجود دوبارہ حاضریِ مدینہ طیبہ ہوئی ہے، اس وقت مجھے باون واں ہی سال تھا۔ یعنی اکاون برس پانچ مہینے کی عمر تھی۔ یہ چودہ برس کی پیشین گوئی حضرت نے فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو کہ حضور اقدس ﷺ کے غلامان غلام کفش بردار (یعنی غلام بے دام) ہیں، علوم غیب دیتا ہے اور وہابیہ کو جنابِ سرکار ﷺ سے انکار ہے۔ ابھی چند ماہ ہوئے، ماہِ رجب میں حضرتِ والد ماجد قدس سرہ الشریف خواب میں تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا "اب کی رمضان میں مرض شدید ہوگا، روزہ نہ چھوڑنا۔" ویسا ہی ہوا، اور ہر چند طبیب نے کہا، مگر میں نے بحمد اللہ روزہ نہ چھوڑا اور اسی کی برکت نے بفضلہ تعالیٰ شفا دی کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے "صُوْمُوْا تَصِحُّوْا (روزہ رکھو، تندرست ہو جاؤ گے)۔" وہ حضرات علماء بہت اس کے متمنی رہتے کہ کسی طرح میرا وہاں قیام زیادہ ہو۔ حضرت مولانا سید اسماعیل نے فرمایا "یہاں کی شدتِ گرمی تمہارے لئے باعثِ تپ ہے، طائف شریف میں موسم نہایت معتدل اور وہاں میرا مکان بہت پرفضا ہے، چلئے گرمی کا موسم، وہاں گزاریں" میں نے گذارش کی کہ "اس حالتِ مرض میں قابلیتِ سفر ہو تو سرکار اعظم ﷺ ہی کی حاضری ہو۔" ہنس کر فرمایا "کہ میرا مقصود یہ تھا کہ چند مہینے وہاں تنہائی میں رہ کر تم سے کچھ پڑھتے کہ یہاں تو آمد و شد (یعنی آمد و رفت) کے ہجوم سے تمہیں

فرصت نہیں۔" مولانا شیخ صالح کمال نے فرمایا" اجازت ہو تو ہم یہاں تمہاری شادی کی تجویز کریں۔" میں نے کہا" کنیز بارگاہِ الٰہی، جسے میں اسکے دربار میں لایا اور اس نے مناسکِ حج ادا کیئے کیا اس کا بدلہ یہی ہے کہ میں اسے یوں مغموم کروں؟" فرمایا" ہمارا خیال یہ تھا کہ یوں یہاں تمہارے قیام کا سامان ہو جاتا"

اس طولِ مرض میں کئی ہفتہ حاضریٔ مسجدِ اقدس سے محروم رہا کہ میں جس بالا خانے پر تھا' چالیس زینے کا تھا اور اس سے اترنا اور چڑھنا مقدور (یعنی قدرت و طاقت میں) نہ تھا۔ مسجد الحرام شریف میں کوئی نا آشنا سے بزرگ میرے بھائی مولوی محمد رضان کو ملے تو فرمایا" کئی دن سے تمہارے بھائی کو نہ دیکھا۔" انہوں نے عرض کی" علیل ہیں۔" پانی دم کر کے فرما کر دیا" یہ پلاؤ اور اگر بخار باقی رہے تو میں دس بجے دن کے تم کو یہیں ملوں گا۔" دس بجے دن کے نہ بخار رہا، نہ وہ ملے اور اب میں مسجدِ شریف اور کتب خانۂ حرم شریف میں حاضر ہونے لگا' جس میں چوتھی صفر کا وہ واقعہ تھا جو مفتی حنفیہ کے ساتھ پیش آیا۔ نمازِ صبح کے سوا کہ ہمارے نزدیک اس میں اسفار یعنی خوب روشن کر کے پڑھنا افضل ہے اور شافعیہ کے نزدیک تغلیس یعنی خوب اندھیرے سے پڑھنا، تین مصلوں پر پہلے نماز ہو جاتی ہے' مصلائے حنفی پر سب کے بعد۔ باقی چار نمازیں سب سے پہلے مصلائے حنفی پر ہوتی ہیں۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وقتِ عصر' دو مثل گزر کر ہے، اس کے بعد نماز حنفی ہوتی ہے اس کے بعد باقی تین مصلوں پر، وہ لوگ اپنے لئے بہت تاخیر سمجھتے ہیں، آخر کوشش کر کے حنفیہ سے یہ کرا لیا کہ تمام عصر مطابقِ قولِ صاحبین رضی اللہ عنہما مثل دوم کے شروع میں پڑھ لیں اس بار کی حاضری میں یہ جدید بات دیکھی۔ اگرچہ کتبِ حنفیہ میں یہاں قول صاحبین رضی اللہ عنہما پر بھی فتویٰ دیا مگر اصح واحوط واقدم قول (یعنی صحیح ترین قول)

سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ ہے۔ فقیر کا معمول ہے کہ کسی مسئلہ میں بے خاص مجبوری کے قولِ امام سے عدول گوارہ نہیں کرتا، جس کی تفصیلِ جلیل میرے رسالہ " **اجلی الاعلام بان الفتوٰی مطلقا علی قول الامام**" میں ہے۔

اِذَا قَالَ الْاِمَامُ فَصَدِّقُوْہُ　　فَاِنَّ الْقَوْلَ مَا قَالَ الْاِمَامُ

﴿جب امام اعظم رضی اللہ عنہ کوئی قول ارشاد فرمائیں، تو اس کی تصدیق کرو کہ کیوں کہ قول (یعنی مقبول قول) وہی ہے جو امام صاحب نے فرمایا﴾ ہم حنفی ہیں نہ کہ یوسفی یا شیبانی، میں اس بار جماعت میں بہ نیت نفل شریک ہو جاتا اور فرضِ عصر مثلِ دوم کے بعد میں اور حضرتِ شیخ صالح کمال، حضرت مولانا سید اسماعیل ودیگر بعض محتاطین حنفیہ اپنی جماعت سے پڑھتے، جس میں وہ حضرات امامت کے لے اس فقیر کو مجبور کرتے۔ پہلے شیخ عمر عجمی کا مکان کرایہ پر لیا تھا، پھر سید عمر رشیدی ابن سید ابو بکر رشیدی اپنے مکان پر لے گے۔ بالاخانے کے در وسطانی (یعنی درمیانی دروازے) پر میری نشست تھی، دروازوں پر جو طاق تھے، بائیں جانب کے طاق میں وحشی کبوتروں کا ایک جوڑا رہتا تھا، وہ تنکے لاتے اور گرایا کرتے۔ اس طرف کے بیٹھنے والوں پر گرتے، جب علالت میں پلنگ لایا گیا، وہ اس در کے سامنے بچھایا گیا کہ تشریف لانے والوں کے لئے جگہ وسیع رہے' اس وقت سے کبوتروں نے وہ طاق چھوڑ کر دروازہ وسطانی کے طاق میں بیٹھنا شروع کیا کہ اب جو وہاں بیٹھتے ان پر تنکے گرتے۔ حضرت مولانا سید اسماعیل نے فرمایا " وحشی کبوتر بھی تیرا لحاظ کرتے ہیں۔" میں نے عرض کی " **صَالَحْنَا هُمْ فَصَالَحُوْنَا** (ہم نے ان سے صلح کی تو انھوں نے بھی ہم سے صلح کی۔) اس پر بعض علماء حاضرین نے فرمایا کہ " ہم

پر تنکے کیوں پھینکتے ہیں، ہم نے ان سے کون سی جنگ کی ہے۔" میں نے کہا" میں یہاں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ یہ جہاں اگر بیٹھتے ہیں انہیں اڑاتے ہیں، کنکریاں مارتے ہیں۔ سلامیوں کی توپیں جب چھوٹتی ہیں یہ خوف سے تھرتھرا کر رہ جاتے ہیں۔" یہ سب میرا مشاہدہ ہے، حالانکہ حرم محترم کے وحشی ہیں، انھیں اڑانا یا ڈرانا منع ہے۔ پیڑ کے سایہ میں حرم کا ہرن بیٹھتا ہو، آدمی کو اجازت نہیں کہ اسے اٹھا کر خود بیٹھے۔ ان علماء نے فرمایا" یہ کبوتر ایذا (یعنی تکلیف) دیتے ہیں، اوپر سے کنکریاں پھینکتے ہیں لیپ کی چمنی توڑ دیتے ہیں۔" میں نے کہا" کیا یہ ابتدا بالایذا (یعنی تکلیف دینے کے ساتھ ابتدا) کرتے ہیں، کہا" ہاں!" میں نے کہا" تو فاسق ہوئے اور کبوتر بالاجماع فاسق نہیں، چیل کوے فاسق ہیں" وہ ساکت ہو گئے۔ شریعت میں وہ جانور فاسق ہے جو بغیر اپنے نفع کے بالقصد ایذا پہنچائے، ایسے جانور کا قتل حرم شریف میں بھی جائز ہے، جیسے چیل، کوا، بندر، چوہا، چیل، کوے زیور اٹھا کر لے جاتے ہیں، بندر کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں، چوہے کتابیں کترتے ہیں، جس میں ان کا کوئی نفع نہیں، محض براہِ شرارت ایذا دیتے ہیں، لہٰذا فاسق ہیں بخلاف بلی کے کہ اگرچہ مرغی پکڑتی، کبوتر توڑتی ہے مگر اپنی غذا کے لئے نہ کہ تمہاری ایذا کے لئے۔ کنکریاں اگر طاق میں ہوں، کبوتر کے چلنے پھرنے سے گریں گی نہ یہ کہ چمنی پر کنکری مارنا انہیں مقصود ہو۔" اس قسم کے وقائع (یعنی واقعات) بہت تھے کہ یاد نہیں، اگر اسی وقت منضبط (محفوظ) کر لئے جاتے، محفوظ رہتے۔ مگر اس کا ہمارے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی احساس نہ تھا۔

جب اواخرِ محرم میں بفضلہٖ تعالیٰ صحت ہوئی۔ وہاں ایک سلطانی حمام ہے میں اس میں نہایا۔ باہر نکلا ہوں کہ ابر دیکھا، حرم شریف پہنچتے پہنچتے برسنا شروع ہو گیا، مجھے حدیث یاد آئی کہ" جو مینہ برستے میں طواف کرے، وہ رحمتِ الٰہی میں

تیرتا ہے۔" فوراً سنگِ اسود شریف کا بوسہ لے کر بارش ہی میں سات پھیرے طواف کیا، بخار پھر عود آیا۔ مولانا سید اسماعیل نے فرمایا "ایک ضعیف حدیث کے لئے تم نے اپنے بدن میں یہ بے احتیاطی کی۔" میں نے کہا "حدیث ضعیف ہے، مگر امید بحمد اللہ تعالیٰ! قوی ہے۔" یہ طواف بحمد اللہ تعالیٰ بہت مزے کا تھا۔ بارش کے سبب طائفین کی وہ کثرت نہ تھی اور اس سے زیادہ لطف کا طواف بفضلہ عزوجل گیارھویں ذی الحجہ کو نصیب ہوا، طوافِ زیارت کے لئے کہ بعدِ وقوفِ عرفہ فرض ہے، عام حجاج دسویں ہی کو منا سے مکہ معظمہ جاتے ہیں۔ میرے ساتھ مستورات تھیں اور خود بھی بخار اٹھائے ہوئے تھا۔ گیارھویں کو بعدِ رمی جمار (یعنی شیطان کو کنکریاں مار کر) کر کے اونٹوں پر مع مستورات روانہ ہوا، حرم شریف میں نمازِ عصر ادا کی۔ آج تمام حجاج منا میں تھے، حرم شریف میں صرف پچیس تیس آدمی۔ یہ طواف نہایت اطمینان سے ہوا۔ ہر بار جی بھر کر سنگ اسود شریف پر منہ ملنا اور بوسہ لینا نصیب ہوتا۔ ایک اعرابی صاحب کو جنہیں پہچانتا نہیں، مولیٰ تعالیٰ نے بے کہے مہربان فرمادیا کہ ہر پھیرے کے ختم پر، چند آدمی جو طواف کر رہے تھے، انہیں روک کر کھڑے ہو جاتے کہ ہموں کو سنگِ اسود شریف کا بوسہ لینے دو، یوں ہر پھیرے پر میرے ساتھ کی مستورات بھی مشرف بوسۂ سنگِ اسود ہوئیں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَتَقَبَّلَ اللّٰهُ (اللہ کیلئے تمام خوبیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ قبول فرمائے)

بعدِ ختمِ طواف میں دیوارِ کعبۂ معظمہ سے لپٹا اور غلاف مبارک ہاتھ میں لے کر یہ دعا عرض کرنی شروع کی "یَاوَاجِدُ یَا مَاجِدُ لَا تَزِلْ عَنِّی النِّعْمَةَ اَنْعَمْتَهَا عَلَیَّ" (یعنی اے واجد وماجد عزوجل تیری نعمتیں مجھ سے کبھی جدا نہ ہوں تو ان نعمتوں کو مجھے انعام فرما)" اور بہت پر کیف رقت طاری ہوئی کہ

آزادی و یکسوئی تھی، مگر تھوڑی دیر کے بعد ایک عربی صاحب میرے برابر آ کھڑے ہوئے اور بآواز چلا کر رونا شروع کر دیا۔ ان کے چلانے سے کچھ طبیعت بٹی پھر خیال آیا "ممکن کہ یہ مقبولانِ بارگاہ سے ہوں اور ان کے قرب کا فیض مجھ پر تجلّی ڈالے۔" اس تصور سے پھر اطمینان ہو گیا۔

مغرب پڑھ کر منا کو واپس آئے اس تقریباً تین مہینے کے قیام میں میں نے خیال کیا کہ "حدیث میں کسی کی سند میری سند سے عالی ہو تو میں ان سے سند لے کر علو (یعنی بلندی) حاصل کروں، مگر بفضلہٖ تعالیٰ! تمام علماء سے میری سند ہی عالی تھی۔"

صفر کے پہلے عشرہ میں عزمِ حاضریٔ سرکارِ اعظم ﷺ مصمم (یعنی پختہ) ہو گیا۔ اونٹ کرایہ کر لیے، سب اشرفیاں پیشگی دے دیں، آج سب اکابر علماء سے رخصت ہونے کو ملا، وہاں پان کی جگہ چائے کی تواضع ہے اور انکار سے برا مانتے ہیں۔ ہر جگہ چائے پینی ہوئی جس کا شمار نو فنجان (چھوٹی پیالی جس میں قہوہ پیتے ہیں) تک جا پہنچا اور وہاں بے دودھ کی چائے پیتے ہیں، جس کا میں عادی نہیں اور چائے گردے کو مضر ہے اور میرے گردے ضعیف رات کو (معاذ اللہ) بشدت حوالی گردہ (یعنی گردے کے آس پاس) کا درد ہوا، ساری شب جاگتے کٹی۔ صبح ہی سفر کا قصد تھا کہ مجبورانہ ملتوی رہا جمالوں (یعنی اونٹ والوں) سے کہہ دیا گیا "کہ تا شفا نہیں جا سکتے۔" وہ چلے گئے اور اشرفیاں بھی انہیں کے ساتھ گئیں۔ ترکی ڈاکٹر رمضان آفندی نے پلاسٹر لگائے دو ہفتے سے زائد تک معالجے کیے۔ بحمد اللہ! شفا ہوئی، مگر اب بھی دن میں پانچ چھ بار چمک ہو جاتی تھی۔

اسی حالت میں دوبارہ اونٹ کرایہ کیے، سب نے کہا اونٹ کی سواری میں ہال (یعنی حرکت و جنبش) بہت ہو گی اور حال یہ ہے مگر میں نے نہ مانا اور **توکّلاً**

عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی (یعنی اللہ تعالی پر توکل کرتے ہوئے) ۲۴ صفر ۱۳۲۶ھ کو کعبۂ تن (کعبہ اللہ شریف) سے کعبۂ جاں (یعنی روضۂ سرکار ﷺ) کی طرف روانہ ہوا۔ براہ بشریت، مجھے بھی خیال آتا تھا کہ اونٹ کی ہال سے کیا حال ہو گا ولہذا اس بار سلطانی راستہ اختیار نہ کیا کہ بارہ منزلیں اونٹ کی ہوں گی بلکہ جدہ سے براہ کشتی رابغ جانے کا قصد کیا مگر ان کے کرم کے صدقے ان سے استعانت عرض کی اور ان کا نام پاک لے کر اونٹ پر سوار ہوا، ہال کا ضرر پہنچنا در کنار، وہ چمک کہ روزانہ پانچ چھ بار ہو جاتی تھی، دفعتاً دفع (یعنی دور) ہو گئی۔ وہ دن اور آج کا دن ایک قرن (یعنی زمانۂ دراز) سے زیادہ گزرا کہ بفضلہٖ تعالی اب تک نہ ہوئی ہے۔ یہ ہے ان کی رحمت، یہ ہے ان سے استعانت (یعنی مدد طلب کرنا) کی برکت ﷺ۔

حضرت مولانا سید اسماعیل اور بعض دیگر حضرات شہر مبارک سے باہر دور تک برسمِ مشایعت (یعنی رخصت کرنے کے لئے چند قدم ساتھ جانیکی رسم کے سبب) تشریف لائے، مجھ میں بوجہ ضعفِ مرض پیادہ چلنے کی طاقت نہ تھی۔ پھر بھی ان کی تعظیم کے لئے ہر چند اترنا چاہا مگر ان حضرات نے مجبور کیا۔ پہلی رات جو کہ جنگل میں آئی، صبح کی مثل روشن معلوم ہوتی تھی، جسکا اشارہ میں نے اپنے قصیدہ حضور جانِ نور میں کیا جو حاضریِ دربارِ معلّٰی میں لکھا گیا تھا

وہ دیکھو جگمگاتی ہے شب اور قمر ابھی   پہروں نہیں کہ بست و چہارم صفر کی ہے

جدہ سے کشتی میں سوار ہوئے۔ کوئی تیس چالیس آدمی اور ہوں گے۔ کشتی بہت بڑی تھی جسے ساعیہ کہتے ہیں اس میں جہاز کا سا مستول (یعنی ستون) تھا۔ ہوا کے لئے پردے حسبِ حاجت مختلف جہات پر بدلے جاتے، حبشی ملاح، کہ اس کام پر مقرر تھے، ان کے کھولنے باندھنے کے وقت اکابر اولیاء کرام رضی اللہ تعالی عنہم کو عجب اچھے لہجے سے ندا کرتے جاتے۔ ایک حضور غوث

اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو دوسرا حضرت سیدی احمد کبیر، تیسرا حضرت سیدی احمد رفاعی کو، چوتھا حضرت سیدی اھدل کو (علیٰ ھذا القیاس)، رضی اللہ عنہم۔ ہر کشش (یعنی کشیدگی) پر ان کی آوازیں عجب دل کشش لہجے سے ہوتیں، اور بہت خوش آتیں (یعنی اچھی لگتیں)۔

ایک حبشی صاحب نے اپنی حاجت سے بہت زیادہ جگہ پر قبضہ کر رکھا تھا، ان سے کہا گیا، معلوم ہوا کہ ان پر اثر، ان دوسرے بصری شیخ عثمان کا ہے میں نے ان سے کہا "یَا شَیْخ" "انہوں نے کہا "اَلشَّیْخُ عَبْدُ الْقَادِرِ جِیلَانِی (شیخ تو حضرت عبد القادر جیلانی ہیں)۔" ان کے اس کہنے کی لذت آج تک میرے قلب میں ہے، انہوں نے اس پہلے بزرگ کو سمجھا دیا۔ اس کے بعد جب ان کو کچھ حالات معلوم ہوئے، پھر تو وہ نہایت مخلص بلکہ کمال مطیع تھے۔ تین روز میں کشتی رابغ پہنچی، یہاں کے سردار شیخ حسین تھے، ٹینوں کے مکان قیام کے لئے تھے۔ جب ان میں اترنا ہوا، اللہ اعلم! لوگوں کو کس نے اطلاع دی۔ ان کے بھائی ابراہیم معہ اپنے اعزا کی جماعت کے تشریف لائے اور اپنے یہاں کا ایک نزاعی مقدمہ (یعنی ایسا مقدمہ کہ جسمیں جھگڑا چل رہا تھا) کہ مدت سے نا فیصل (یعنی بغیر فیصلے کے) پڑا تھا، پیش کیا، میں نے حکمِ شرعی عرض کیا۔ بحمد اللہ تعالیٰ! باتوں ہی باتوں میں باہم فیصلہ ہو گیا۔ ربیع الشریف کا چاند ہم کو یہیں ہوا۔ یہاں سے اونٹ کرایہ کئے گئے۔ نمازِ عصر پڑھ کر سوار ہونا تھا۔ تمام اسباب، قلعہ کے سامنے نکال کر رکھا تھا، گنتی کے اونٹوں کا قافلہ تھا۔ ہم لوگ سوار ہو گئے اور اسباب وہیں سڑک پر پڑا رہ گیا۔ جب منزل پر پہنچے اب نہ کپڑے ہیں نہ برتن نہ گھی ہے "**ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم**" یہ پانچ منزلیں ساتھیوں کے برتنوں اور منازل پر وقتاً فوقتاً خریدِ حوائج (یعنی ضرورت کی چیزوں کو خریدنے) سے گزریں۔ چھٹے دن بحمد اللہ تعالیٰ

!خاک بوسِ آستانِ جنت نشان ہوئے (یعنی شہر سرکار ﷺ پہنچے)۔
راہ میں جب منزل بئر شیخ پر پہنچے ہیں، منزل چند میل باقی تھی اور وقت فجر تھوڑا' جمالوں نے منزل ہی پر رکنا چاہا اور جب تک وقت نماز میں نہ رہتا' میں اور میرے رفقا (یعنی ساتھی) اتر پڑے، قافلہ چلا گیا۔ کرچ کا ڈول پاس تھا رسی نہیں اور کنواں گہرا۔ عمامے باندھ کر پانی بھرا' وضو کیا، بحمد اللہ تعالیٰ! نماز ہو گئی۔ اب یہ فکر لاحق ہوئی کہ طولِ مرض سے ضعف شدید ہے' اتنے میل پیادہ کیونکر چلنا ہوگا۔ منہ پھیر کر دیکھا تو ایک جمال محض اجنبی، اپنا اونٹ لئے میرے انتظار میں کھڑا ہے، حمدِ الٰہی بجالایا اور اس پر سوار ہوا۔ اس سے لوگوں نے پوچھا کہ "تم یہ اونٹ کیسے لائے؟" کہا، "ہمیں شیخ حسین نے تاکید کردی تھی کہ شیخ کی خدمت میں کمی نہ کرنا۔" کچھ دور آگے چلے تھے کہ میرا اپنا جمال اونٹ لئے کھڑا ہے اس سے پوچھا، کہا، کہ "قافلے کے جمال جب نہ ٹھہرے۔ میں نے کہا شیخ کو تکلیف ہوگی۔ قافلہ میں سے اونٹ کھول کر واپس لایا۔" یہ سب میری سرکار ﷺ کی وصیتیں تھیں صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی وَبَارَكَ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَعَلٰی عِتْرَتِهٖ قَدْرَ رَافَتِهٖ وَرَحْمَتِهٖ (اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کی اولاد پر اپنی رحمت و مہربانی کے مطابق رحمت و برکت و سلامتی نازل فرمائے) ورنہ کہاں فقیر ،اور کہاں سردار رابغ شیخ حسین جن سے جان نہ پہچان اور کہاں وحشی مزاج جمال اور انکی یہ خارق العادات (خلاف عادت) روشیں (یعنی طور طریقے)۔ سرکارِ اعظم ﷺ میں حاضری کے دن بدن کے کپڑے میلے ہوگئے تھے اور کپڑے رابغ میں چھوٹ گئے تھے اور ایک یا دو منزل پہلے شب کو ایک کہیں راستہ میں نکل گیا، یہاں عربی وضع کا لباس اور جوتا خرید کر پہنا۔ اور یوں مواجہ اقدس کی حاضری نصیب ہوئی، یہ بھی سرکار ﷺ کی ہی طرف سے تھا کہ اس لباس میں بلانا چاہا۔
دوسرے رابغ سے ایک بدوی پہنچا۔ اونٹ پر سوار اور ہمارا تمام سامان کہ چلتے

وقت قلعہ کے سامنے چھوٹ گیا تھا، اس پر بار (یعنی لدا ہوا تھا) اس نے شیخ حسین کا رقعہ لاکر دیا کہ آپ کا یہ اسباب رہ گیا تھا روانہ کرتا ہوں۔ میں ہر چند ان بدوی صاحب کو آتے جاتے دس منزلوں کی محنت کا نذرانہ دیتا رہا، مگر انھوں نے نہ لیا اور کہا "ہمیں شیخ حسین نے تاکید فرمادی تھی کہ شیخ سے کچھ نہ لینا"

یہاں کے حضراتِ کرام کو حضراتِ مکہ معظمہ سے زیادہ اپنے اوپر مہربان پایا۔ بحمدہ تعالیٰ! اکتیس روز کی حاضری نصیب ہوئی۔ بارھویں شریف کی مجلس مبارک یہیں ہوئی۔ صبح سے عشاء تک اسی طرح علمائے عظام کا ہجوم رہتا۔ بیرون بابِ مجیدی مولانا کریم اللہ علیہ الرحمہ، تلمیذ حضرت مولانا عبدالحق مہاجر الہ آبادی رہتے تھے، انکے خلوص کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ "**حسام الحرمین و دولۃ المکیۃ**" پر تقریظات میں انہوں نے بڑی سعی جمیل فرمائی (**جَزَاہُ اللہُ خَیْرًا کثیراً**۔) یہاں بھی اہلِ علم نے "**دولۃ المکیۃ**" کی نقلیں لیں۔ ایک نقل بالخصوص مولانا کریم اللہ نے مزید تقریظات کے لئے اپنے پاس رکھی۔ میرے چلے آنے کے بعد بھی مصر وشام و بغداد و مقدس وغیرھا کے علماء، جو موسم میں خاک بوس آستانہ اقدس ہوتے جن کا ذرا بھی قیام دیکھتے اور موقع پاتے، ان کے سامنے کتاب پیش کرتے اور تقریظیں لیتے اور بصیغہ رجسٹری مجھے بھیجتے رہتے۔ **رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً**۔

علمائے کرام نے یہاں بھی فقیر سے سندیں لیں اور اجازتیں لیں خصوصاً شیخ الدلائل حضرت مولانا سید محمد سعید مغربی کے الطاف کی تو حد ہی نہ تھی۔ اس فقیر سے خطاب میں یاسیدی فرماتے، میں شرمندہ ہوتا۔ ایک بار میں نے عرض کی "حضرت! سید تو آپ ہیں۔" فرمایا "واللہ! سید تم ہو۔" میں نے عرض کی "میں سیدوں کا غلام ہوں۔" فرمایا "یوں بھی تو سید ہوئے، نبی ﷺ فرماتے ہیں "**مَوْلَی الْقَوْمِ مِنْھُمْ**(قوم کا غلام آزاد شدہ انہیں میں سے ہے)۔" اللہ

تعالیٰ سادات کرام کی سچی غلامی اور ان کے صدقے میں آفات دنیا و عذاب قبر و عذاب حشر سے کامل آزادی عطا فرمائے۔ (آمین)

یوں ہی مولانا حضرت سید عباس رضوان و مولانا سید مامون بریلوی و مولانا سید احمد جزائری و مولانا شیخ ابراہیم خربوطی و مفتی حنفیہ مولانا تاج الدین الیاس و مفتی حنفیہ سابقاً مولانا عثمان غنی بن عبد السلام داغستانی وغیر ہم حضرات کے کرم بھولنے کے نہیں۔ ان مولانا داغستانی سے قبا شریف میں ملاقات ہوئی کہ وہیں اٹھ گئے تھے۔ مکہ معظمہ کی طرح زیادہ اہم "**حسام الحرمین**" کی تصدیقات تھیں جو بحمد اللہ تعالیٰ بہت خیر خوبی کے ساتھ ہوئیں۔ زیادہ زمانۂ قیام انہیں میں گزر گیا کہ ہر صاحب پوری کتاب مع تقریظات مکہ معظمہ دیکھتے اور کئی کئی روز میں تقریظ لکھ کر دیتے۔ مفتی شافعیہ حضرت سید احمد برزنجی نے "**حسام الحرمین**" پر چند ورق کی تقریظ لکھی اور فرمایا "اس کتاب کی تائید میں اسے ہمارا مستقل رسالہ کر کے شائع کرنا" ایسا ہی کیا گیا۔ "**حسام الحرمین**" کا کام پورا ہونے کے بعد "**دولة المكية**" پر تقریظات کا خیال ہوا۔ دونوں حضرات مفتی حنفیہ نے مدینہ طیبہ اور قبا شریف میں تقریظیں تحریر فرمائیں تیسری باری مفتی شافعیہ کی آئی، یہ آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے۔ یہ ٹھہری کہ ان کے داماد سید عبد اللہ صاحب کے مکان پر اس کتاب کے سنانے کی مجلس ہو، عشاء کہ وہاں اول وقت ہوتی ہے پڑھ کر بیٹھے، میں نے کتاب سنانا شروع کی۔ بعض جگہ مفتی صاحب کو شکوک ہوئے میری غلطی کہ میں نے حسبِ عادت جرأت کے ساتھ مسکت (یعنی خاموش کرا دینے والے) جواب دیئے جو مفتی صاحب کو اپنی شانِ عظمت شان کے سبب ناگوار ہوئے، جا بجا ان کا ذکر میں نے "**الفيوض المكية حاشيه دولة المكية**" میں کر دیا ہے۔ بارہ بجے جلسہ ختم ہوا اور مفتی صاحب کے

قلب میں جو، ان جوابوں کا غبار رہا، مجھے بعد کو معلوم ہوا، اس وقت اگر اطلاع ہوتی میں معذرت کر لیتا۔ ایک رات انکے شاگرد شیخ عبد القادر طرابلسی شلبی کے مدرس ہیں فقیر کے پاس آئے اور بعض مسائل میں کچھ الجھنے لگے، حامد رضا خان نے انھیں جواب دیئے جن کا وہ جواب نہ دے سکے اور وہ بھی سینہ میں غبار لے کر اٹھے۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا، جس کی میں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ انصاف پسند تو اس کے ممنون ہوتے ہیں جو انھیں صواب (یعنی درست) کی راہ بتائے، نہ یہ کہ بات سمجھ لیں، جواب نہ دے سکیں اور بتانے سے رنجیدہ ہوں۔ اور فقیر کو متواتر ناسازیوں کے بعد مکہ معظمہ میں جو کئی مہینے گزرے واللہ اعلم۔ وہ کیا بات تھی جس نے حضراتِ کلام مدینہ طیبہ کو اس ذرۂ بے مقدار کا مشتاق بنا رکھا تھا یہاں تک کہ مولانا کریم اللہ صاحب فرماتے تھے کہ "علماء تو علماء اہل بازار تک کو تیرا اشتیاق تھا" اور یہ جملہ فرمایا کہ "ہم سالہا سال سے سرکار میں مقیم ہیں، اطراف و آفاق سے علماء آتے ہیں" واللہ یہ لفظ تھا "جوتیاں چٹخاتے چلے جاتے ہیں کوئی بات نہیں پوچھتا اور تمہارے پاس علماء کا یہ ہجوم ہے۔" میں نے عرض کی "میرے سرکار ﷺ کا کرم"

کریما کہ در فضل بالا ترند　سگاں پرورند وچناں پرورند

﴿اپنے کرم کا جب وہ صدقہ نکالتے ہیں　ہم سوں کو پالتے ہیں اور ایسا پالتے ہیں﴾

ایام اقامت سرکار اعظم ﷺ میں صرف ایک بار مسجدِ قبا شریف کو گیا اور ایک بار زیارتِ حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کو حاضر ہوا۔ باقی سرکارِ اقدس ﷺ ہی کی حاضری رکھی۔ سرکار کریم ہیں "اپنے کرم سے قبول فرمائیں اور خیریت ظاہر و باطن کے ساتھ پھر بلائیں

﴿ہم کو مشکل ہے انہیں آسان ہے﴾

رخصت کے وقت قافلے کے اونٹ آ لئے ہیں، پا بر کاب ہوں اس وقت تک

علماء کو اجازت نامے لکھ کر دیئے، وہ سب تو "الاجازات المینۃ" میں طبع ہو گئے اور یہاں آنے کے بعد دونوں حرم محترم سے درخواستیں آیا کیں اور اجازت نامے لکھ کر گئے، یہ درجِ رسالہ نہیں۔ چلتے وقت حضراتِ مدینہ کریمہ نے بیرون شہر دور تک مشایعت فرمائی، اب مجھ میں طاقت تھی ان کی معادت (یعنی لوٹنے) تک میں بھی پیادہ ہی رہا۔ اونٹ جدہ کے لئے کئے، اب موسم سخت گرمی کا آگیا تھا اور بارہ منزلیں، منزل پر ظہر کی، نماز ٹھیک زوال ہوتے ہی پڑھتا تھا اور معاً قافلہ روانہ ہوتا تھا۔ سر پر آفتاب اور پاؤں نیچے گرم ریت یا پتھر۔ اللہ تعالیٰ! مولوی نذیر احمد کا بھلا کرے، فرضوں میں تو مجبور تھے، کہ خود بھی شریک جماعت ہوتے مگر جب میں سنتوں کی نیت باندھتا، چھتری لے کر سایہ کرتے ابتداء میں یوں نہ کر سکتے تھے کہ میں نماز میں چھتری لگانے پر ہرگز راضی نہ ہوتا، انھوں نے اور حاجی کفایت اللہ صاحب نے اس سفر مبارک میں بلا طمع بلا معاوضہ محض اللہ و رسول، عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جیسے آرام دیئے اللہ تعالیٰ انکا اجرِ عظیم دنیا و آخر میں ان صاحبوں کو عطا فرمائے (آمین)

جدہ پہنچ کر جہاز تیار ملا۔ بمبئی کے ٹکٹ بٹ (یعنی تقسیم ہو) رہے تھے، خریدے اور روانہ ہوئے۔ جب عدن پہنچے معلوم ہوا کہ جہاز والے نے، کہ رافضی تھا، دھوکا دیا۔ عدن پہنچ کر اعلان کیا کہ "جہاز کراچی جائیگا۔" ہم لوگوں نے قصد کیا کہ اتر لیں اور بمبئی جانے والے جہاز میں سوار ہوں۔ اتنے میں انگریز ڈاکٹر آیا اور اس نے کہا " بمبئی جانے والوں کو قرنطینہ میں رہنا ہوگا۔ ہم نے کہا "اس مصیبت کو کون جھیلے" اس سے کراچی ہی بھلی۔ راستہ میں طوفان آیا اور ایسا سخت کہ جہاز کا لنگر ٹوٹ گیا سخت ہولناک آواز پیدا ہوئی مگر دعاؤں کی برکت کہ مولا تعالیٰ نے ہر طرح امان رکھی۔

جب کراچی پہنچے ہمارے پاس صرف دو روپے باقی تھے اور اس زمانے

تک وہاں کسی سے تعارف نہ تھا۔ جہاز کنارے کے قریب ہی لگا اور عین ساحل پر چونگی کی چوکی، جس پر انگریز یا کوئی گورا نوکر، اسباب کثیر، یہاں محصول دینے کو نہیں، ہر چیز کی تعلیم وارشاد فرمانے والے پر بے شمار درود و سلام!! انکی ارشاد فرمائی ہوئی دعا پڑھی۔ وہ گورا آیا اور اسباب دیکھ کر بارہ آنے محصول کہا۔ ہم نے شکرِ الٰہی کیا اور بارہ آنے دے دیئے۔ چند منٹ بعد وہ پھر واپس آیا اور کہا "نہیں نہیں اسباب دکھاؤ"، سب صندوق وغیرہ دیکھے اور پھر بارہ آنے کہہ کر چلا گیا۔ پھر واپس آیا اور صندوق کھلوا کر اندر سے دیکھے اور پھر بارہ آنے ہی کہے اور رسید دے کر چلا گیا، اب سوا روپیہ باقی رہا، اس میں سے منجھلے بھائی مرحوم مولوی حسن رضا خان کو تار دیا تاکہ دو سو روپیہ بھیجیں۔ یہاں وہ تار مشتبہ ٹھہرا کہ بمبئی سے آنا کراچی سے کیسا آیا۔ بارہ، روپے پہنچ گئے۔ بمبئی کے احباب وہاں لے جانے پر مصر ہوئے وہاں جانا پڑا۔ مولوی حکیم عبد الرحیم صاحب وغیرہ احباب احمد آباد کو اطلاع ہوئی، آدمی بھیجے، باصرار احمد آباد لے گئے۔ سواریوں کو بمبئی سے محمد رضا خان واحمد رضا خان کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔ میں ہندوستان میں اترنے سے ایک مہینے بعد مکان پہنچا۔ وہابیہ **خَذَلَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی** (یعنی اللہ عزوجل ان کو بے مدد چھوڑے) کو بفضلہ تعالٰی جب شدید ذلتیں اور ناکامیاں ہوئیں "**اَلْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَۃِ**" کی وراثت سے یہاں اڑا رکھی تھی کہ معاذ اللہ فلاں قید ہو گیا، بمبئی آکر یہ خبر سنی۔ احباب نے مجلس منعقد کی کہ اس کی نسبت کچھ کہہ دیا جائے، واحد قہار نے ان کا کذب خود ہی سب پر روشن فرما دیا تھا، مجھے کہنے کی کیا ضرورت تھی، ہاں اتنا ہوا کہ آیۂ کریمہ " **اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا** (ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی ﴿الفتح پ ۲۶ آیت ۱﴾)" کا بیان کیا اور اس میں فتح مکۂ مکرمہ اور اس سے پہلے صلحِ حدیبیہ کی حدیث ذکر کی، اس میں کہا کہ " حضورِ اقدس ﷺ نے حدیبیہ میں قیام فرما کر

امیر المؤمنین عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ بھیجا یہاں انھیں دیر لگی کافروں نے اڑادیا کہ "وہ مکہ میں قید کر لئے گئے، میرے آنے سے پہلے ہی اطراف سے لوگوں نے مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کو استفسارِ واقعات کے خطوط لکھے، جس کے جواب انھوں نے وہ دیئے کہ "سنیوں کا دل باغ باغ ہو گیا اور وہابیوں کا کلیجہ داغ داغ۔" والحمد لله رب العٰلمین

ان میں سے بعض جواب میرے دیکھنے میں آئے جن میں فرمایا ہے کہ "یہ خبیث کذابوں کا کذبِ خبیث ہے اس کو تو مکہ معظمہ میں وہ اعزاز ملا جو کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔" دہابیہ کی تو کیا شکایت کہ وہ اعداء ہیں اور کیوں نہ میرے دشمن ہوں کہ میرے مالک و مولی ﷺ کے دشمن ہیں، ان کے افتراؤں نے بعض جاہل کچے سینوں کو بھی میرے مخالف کر دیا تھا، یہ بہتان لگا کر کہ "یہ معاذ اللہ حضرتِ شیخ مجدد کو کافر کہتا ہے اور جب مکہ معظمہ میں علمِ غیب کا مسئلہ بفضلہ تعالیٰ باحسنِ وجوہ (یعنی اچھی صورت کے ساتھ) روشن ہو گیا، علمِ الٰہی اور علمِ نبوی ﷺ کا غیر متناہی فرق میں نے ظاہر کر دیا تو اب یہ جوڑی کہ عیاذ باللہ یہ قدرتِ نبوی کو قدرتِ الٰہی کے برابر کہتا ہے کچے ناسمجھ لوگ آیۂ کریمہ " یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ (اے ایمان والو، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو، پھر اپنے کیئے پر پچھتاتے رہ جاؤ ﴿الحجرات پ ۲۶ آیت ۶﴾)" پر عمل نہ کرنے والے ان کے دلاؤں (یعنی فریبوں) میں آ گئے۔ مدینہ طیبہ میں ایک ہندی صاحب شیخ الحرم عثمان پاشا کے یہاں کچھ دخیل (یعنی واقف کار) تھے ایک مدرسہ کے نام سے ہندوستان وغیرہ سے چندہ منگاتے، یہ بھی انھیں کذابوں کی باتوں سے متاثر ہوئے۔ میں ابھی مکہ معظمہ ہی میں تھا، یہاں جو فتح و ظفر مولی تعالیٰ نے مجھے

عطا فرمائی اور پھر میرے عزمِ حاضریِ سرکارِ اعظم ﷺ کی خبر مدینہ طیبہ پہنچی، ان صاحب نے اپنے زعم پر کہ مجازی حاکم شہر کے یہاں رسائی ہے یہ لفظ فرمائے کہ "وہاں تو اس نے اپنا سکہ جما لیا، آنے دو، یہاں آتے ہی قید کرا دوں گا" مولیٰ عزوجل کی شان میری سرکار ﷺ سے ان کو یہ جواب ملا کہ "میں ابھی مکہ معظمہ میں ہی ہوں۔" ان کی نسبت دھوکے سے چندے منگانے کا دعویٰ ہوا اور جیل بھیج دیئے گئے۔ جب میں حاضر ہوا ہوں، وہ میعاد کاٹ کر واپس آچکے تھے "مسجد کریم میں مجھ سے ملے اور فرمایا" میں تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں" میں نے کہا" علماء عظماء کی تشریف آوری کا ہجوم آپ دیکھتے ہیں مجھے تنہائی نصف شب کو ملتی ہے" کہا "میں اسی وقت آؤں گا" میں نے کہا" اس وقت بندش ہوتی ہے کہا میری بندش نہ ہوگی" تشریف لائے کلماتِ استمالت و استعفاء (یعنی دل جوئی کرنے اور معافی طلب کرنے والے کلمات) کے فرمائے 'میں نے معاف کیا اور میرے دل میں بحمدہ تعالیٰ! اس کا کچھ غبار بھی نہ تھا۔ پھر ہندوستان تشریف لا کر بھی مجھ سے ملے، اظہارِ نام کی ضرورت نہیں۔

چو باز آمدی ماجرا در نوشتت

یہ تمام وقائع ایسے نہ تھے کہ میں اپنی زبان سے کہتا، ہمراہیوں کو توفیق ہوتی اور آتے جاتے اور ایامِ قیام ہر دو سرکار کے واقعات روزانہ تاریخ وار قلمبند کرتے تو اللہ و رسول (عزوجل و ﷺ) کی بے شمار نعمتوں کی عمدہ یادگار ہوتی۔ ان سے رہ گیا اور مجھے بہت کچھ سہو ہو گیا، جو یاد آیا بیان کیا، نیت کو عزوجل جانتا ہے "قَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو (الضحیٰ پ ۳۰ آیت ۱۱))" یہ برکات ہیں، ان دعاؤں کی کہ حضور سید عالم ﷺ نے تعلیم فرمائی والحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم وآلہ وصحبہ اجمعین۔